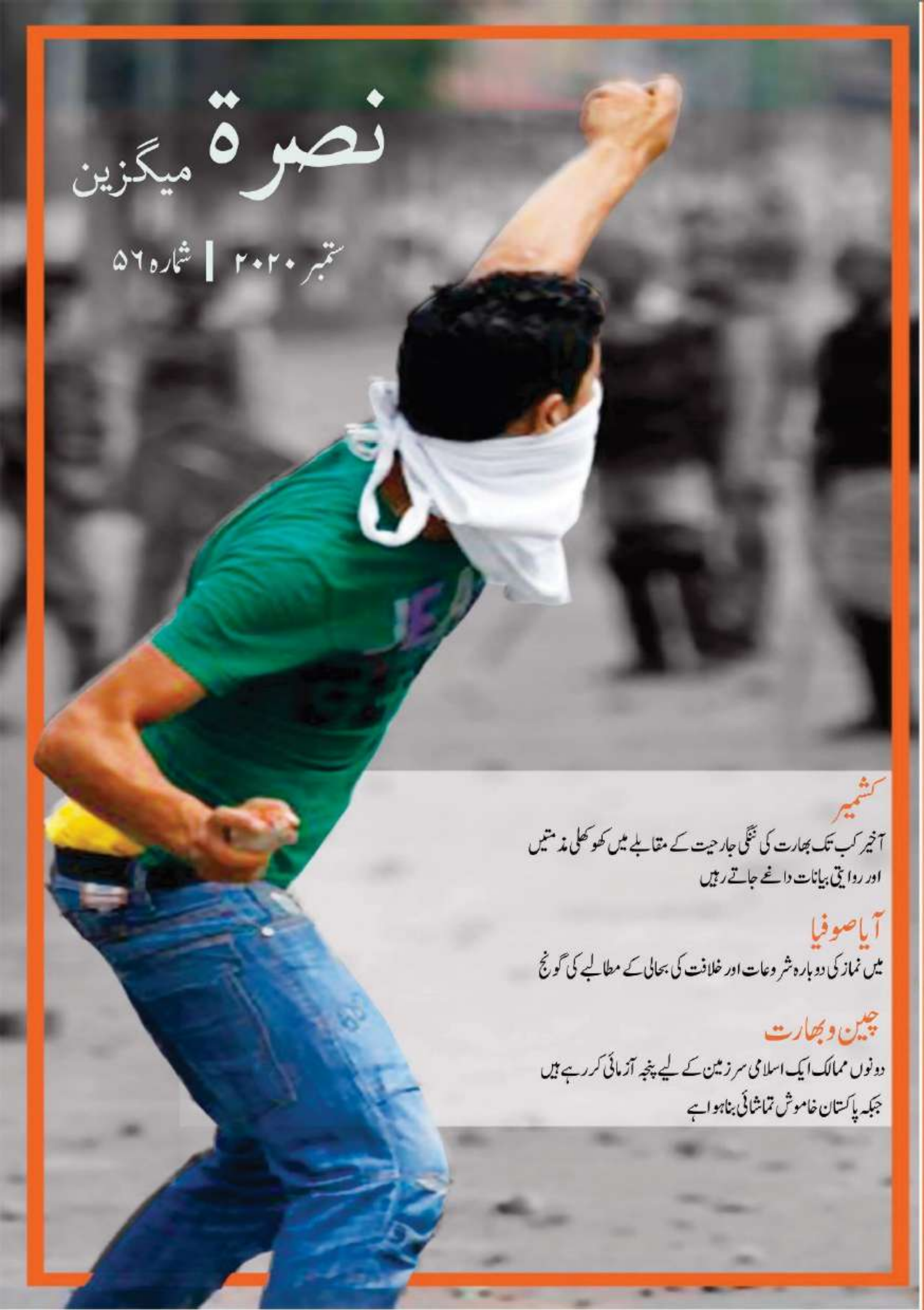

نصرة میگزین

ستمبر ۲۰۲۰ | شمارہ ۵۶

کشمیر

آخیر کب تک بھارت کی ننگی جارحیت کے مقابلے میں کھوکھلی مذمتیں
اور روایتی بیانات داغے جاتے رہیں

آیا صوفیا

میں نماز کی دوبارہ شروعات اور خلافت کی بحالی کے مطالبے کی گونج

چین و بھارت

دونوں ممالک ایک اسلامی سرزمین کے لیے پنجہ آزمائی کررہے ہیں
جبکہ پاکستان خاموش تماشائی بناہوا ہے

نصرۃ

میگزین/شمارہ 56

ستمبر/اکتوبر 2020 بمطابق محرم/صفر1441ہجری

مضمون پر براہ راست جانے کے لئے فہرست کے لنک پر براہ کرم کلِک کریں

اس شمارے میں

مقبوضہ کشمیر کا بھارتی یونین میں جبری انضمام۔۔۔	اداریہ	4
تفسیر سورۃ البقرۃ 204-207	شیخ عطاء بن خلیل ابوالرَشتہ	7
متقی فوجی افسران کی صفت یہ ہے کہ وہ جہاد سے محبت۔۔۔	مصعب عمیر	15
بھارت کا S-400 کا حصول۔۔۔	عبدالمجید بھٹی	24
5اگست اور مقبوضہ کشمیر میں سیاسی جنگ	خالد صلاح الدین	31

پارلیمانی جمہوریت کی طرح امریکی طرز کا صدارتی۔۔۔	شاہ رخ ہمدانی	40
مسلم امت کا تعلیمی زوال: اسباب اور حل	اسجد	60
اسلام ہم جنس پرستی کے متعلق کیا حکم دیتا ہے؟	خلیل مصعب	70
ارطغرل غازی کے دور سے حاصل ہونے والے اسباق	عبدالمجید بھٹی	75
اُس لشکر کی صفات کہ اللہ کی طرف سے جس کی۔۔۔	الوعی میگزین	85
امریکہ بھر میں ہونے والے بڑے پیمانے کے احتجاج۔۔۔	سوال وجواب	104
چین اور بھارت کے درمیان سرحدی جھڑپ	سوال وجواب	116
آیا صوفیا میں نماز کی واپسی اور خلافت کی واپسی ۔۔۔	سوال وجواب	132
مقبوضہ کشمیر کو اس خلیفہ کا انتظار ہے جو۔۔۔	میڈیا آفس ولایہ پاکستان	149

مقبوضہ کشمیر کا بھارتی یونین میں جبری انضمام وہ دھچکہ ہے جو استعماری غلامی سے حقیقی آزادی پر منتج ہونا چاہیئے

5 اگست 2020 کو مودی کے ہاتھوں مقبوضہ کشمیر کے گھیراؤ کا ایک سال مکمل ہو گیا۔ مودی کی جانب سے جبری انضمام کے دوسرے سال میں ہم داخل ہو گئے ہیں۔ اس دوران مقبوضہ کشمیر پر اپنی گرفت کو مزید مضبوط بنانے کے لیے مودی نے مسلمانوں کے خلاف بے رحمانہ مظالم اور آزاد کشمیر پر اپنا نیا حق جتانے کیلئے حملوں میں زبردست اضافہ کر دیا ہے۔

آزادی پاکستان سے بھی پہلے سے جاری کئی دہائیوں پر محیط اصولی اور جذبے سے بھرپور مزاحمت کا یہ نتیجہ مسلمانوں کے لیے شدید دھچکہ ہے۔ یہ صدمہ پاکستان کے مسلمانوں میں بے چینی کے ساتھ ساتھ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کر رہا ہے کہ پاکستان کے حکمرانوں نے ان کے ساتھ بے وفائی کی ہے اور انہیں ہندو ریاست کے رحم و کرم کے حوالے کر دیا ہے۔ اس دھچکے کے اثرات ختم نہیں ہو رہے بلکہ اس کی وجہ سے معاشرے میں ایک وسیع بحث نے جنم لیا ہے کہ آخر یہ سانحہ کیوں اور کیسے پیش آیا اور اس صدمے سے نکلنے کے حوالے سے لوگوں کا سیاسی نقطہ نظر ایک واحد حل کی جانب مائل ہوتا جا رہا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ مقبوضہ کشمیر کے مسئلے کا حقیقی حل ہم سے اس لئے دور نہیں کہ ہم اس حل کیلئے مادی وسائل سے محروم ہیں خواہ اس کا تعلق معیشت سے ہو یا فوجی صلاحیت کے حوالے سے۔ اس وقت اگر مقبوضہ کشمیر کا حقیقی حل ہمیں محال لگتا ہے تو اس کی وجہ پاکستان کے حکمرانوں کا

سیاسی نقطہ نظر ہے۔ موجودہ قیادت اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر ہمارے حق کو حاصل کرنے کے بجائے استعماری طاقتوں پر انحصار کررہی ہے جو بین الاقوامی برادری کو اقوام متحدہ کی سیکیورٹی کونسل کے ذریعے چلاتے ہیں۔

قابل توجہ امر یہ ہے کہ پاکستان کی قیادت اپنی مرضی سے استعماری طاقتوں پر انحصار کررہی ہے۔ باجوہ- عمران حکومت واضح طور پر عوامی احساسات ، جذبات اور خواہشات کے برخلاف جارہی ہے۔ پاکستان کے مسلمان اس حکومت کے فیصلوں، موقف اور نمائشی اقدامات کی مذمت کررہے ہیں کیونکہ اس حکومت کے فیصلے، موقف اور اقدامات ہمارے دین اور ہماری تاریخ سے مکمل طور پر متصادم ہیں۔ اقوام متحدہ نے ہمیشہ مسلمانوں کے معاملات میں مسلمانوں کو شدید نقصان ہی پہنچایا ہے، چاہے پچیس سال پہلے سربرینیکا(بوسنیا) کا معاملہ ہو یا آج مقبوضہ کشمیر کا معاملہ ، مسلمانوں کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کرنے والی طاقتوں کے خلاف اقوام متحدہ نے ہمیشہ خاموشی کا مظاہرہ کیا ہے یا ان کی حمایت کی ہے۔ کفر طاقتوں کی غلامی سے آزادی کی ہماری آرزو کی وجہ اسلامی دورِ حکمرانی کی تاریخ کی خوش کن یادیں نہیں ہیں بلکہ اس کی وجہ اسلام پر ہمارا کامل یقین اور ریاست کے معاملات اور بین الاقوامی تعلقات کو منظم کرنے سے متعلق رسول اللہ کی سنت سے حاصل ہونے والی رہنمائی ہے جس کی مزید وضاحت ہمیں خلافت راشدہ کے دور سے ملتی ہے۔

بنیادی طور پر موجودہ سیاسی و فوجی اشرافیہ کے احساسات ، جذبات اور سوچ ہمارے احساسات، جذبات اور سوچ سے قطعی مختلف ہے اور اسی لیے وہ ہماری قیادت کرنے سے قاصر ہیں۔ یہ

استعماری عہد کی وہ مستقل باقیات ہے جس نے 1924 میں خلافت کی تباہی سے قبل ہی، 1757 میں برصغیر پاک وہند میں اپنی جڑیں قائم کرنا شروع کیں۔ یہی وہ اشرافیہ ہے جس کی استعمار نے پرورش اور تربیت خود کی، اور انہیں زہریلے مغربی اقدار، روایات، تصورات اور طرز زندگی سے روشناس کرایا۔ اس اشرافیہ کو ہمارے سروں پر تاج برطانیہ کی حکومت اور فوج میں عہدے دے کر بٹھایا گیا۔ آزادی کے بعد بھی موجودہ سیاسی و فوجی ماحول استعماری زہر سے آلودہ ہے۔ سیاسی و فوجی دونوں اشرافیہ میں احساس کمتری موجود ہے اور ساتھ ہی یہ یقین بھی موجود ہے کہ استعماری طاقتوں کی مدد کے بغیر ہم کوئی حیثیت اور مقام حاصل نہیں کرسکتے۔

یہ بات واضح ہے کہ موجودہ قیادت کی موجودگی میں ہمیں ان لوگوں سے کبھی آزادی نہیں مل سکتی جو ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچانے والوں کی مدد کرتے ہیں۔ مقبوضہ کشمیر کے ناقابل تلافی نقصان سے پہنچنے والے دھچکے کے نتیجے میں ہم میں یہ جذبہ پیدا ہونا چاہیے کہ ہمیں اپنے معاملات کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دین کے مطابق منظم کرنا ہے۔ اور ایسا صرف اسی صورت میں ہوگا جب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی قائم کی جائے جس میں حکمرانی نئی قیادت، خلافت کے داعی، کریں گے۔ صرف اور صرف اس کے بعد ہی ہمیں وہ کامیابی ملے گی جس کا ہم ایک طویل عرصے سے انتظار کررہے ہیں، اور پھر ہم اپنے حقوق حاصل کرسکیں گے، مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرائیں گے اور انسانیت کے لیے لائی گئی بہترین امت کے مقام کو حاصل کریں گے۔

ختم شد

تفسیر سورۃ البقرۃ : آیت 207-204

فقیہ اور مدبر سیاست دان، امیر حزب التحریر، شیخ عطا بن خلیل ابو الرشتہ کی کتاب **تیسیر فی اصول التفسیر** سے اقتباس:

أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (204) وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗوَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (205) وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ۚ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ (206) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗوَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (207) ﴾

"اور لوگوں میں بعض ایسا بھی ہے جس کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو ملک میں فساد ڈالتا اور کھیتی اور مویشی کو برباد کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو شیخی میں آکر اور بھی گناہ کرتا ہے، سو اس کے لیے دوزخ کافی ہے، اور البتہ وہ برا بچھونا ہے۔ جبکہ بعض ایسے ہیں جو اللہ کی رضاجوئی کے لیے اپنی جان بھی بیچ دیتے ہیں، اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔"

مذکورہ آیات کریمہ کا عطف گزشتہ آیات پر ہے، یعنی(فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (200) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ) (201) ترجمہ:"پھر بعض تو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے، اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نیکی اور آخرت میں بھی نیکی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔"

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اِن آیات سے پہلے جب حج سے متعلقہ آیات ذکر فرمائیں اور یہ بیان فرمایا کہ حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد لوگ دو صنفوں میں بٹ جاتے ہیں: ایک صنف وہ ہے جو اللہ سے صرف دنیا مانگتے ہیں، ایسے لوگوں کا آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں، جبکہ دوسری صنف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے دنیا بھی مانگتے ہیں اور آخرت کا ثواب بھی طلب کرتے ہیں اور ایسا حج کے موقعہ پر ہوتا ہے، تو اَب مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں کہ صرف دنیا پر نظر رکھنے یا اس کے ساتھ آخرت کو مد نظر رکھنے کی صفت جس طرح حج کے موقع پر لوگوں میں پائی جاتی ہے، حج کے علاوہ میں بھی لوگوں میں پائی جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ نے دونوں معطوفین (Appositions) (یعنی حج اور غیر حج میں لوگوں کی دو قسموں) کے درمیان ایک اور حکم کو ذکر کرکے جدائی(separation) کی ہے، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دودنوں میں جلدی کرنے یا تین دن تک تاخیر کا ذکر کیا ہے۔ اور جب دو معطوفوں (Appositions) کے درمیان کسی اور چیز کا ذکر داخل کیا جائے تو عربی زبان کے فصحاء کے نزدیک اس سے مقصود اس چیز کو نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ اور اس پر زور دینا پیشِ نظر ہوتا ہے، تاکہ

لوگ اس کو غیر ضروری نہ سمجھیں۔ قرآن کریم میں یہاں ایسا کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب سابقہ آیات کریمہ میں (فاذا قضيتم مناسككم)کو ذکر کیا جس کے معنی ہیں کہ " جب تم حج کے امور سرانجام دو۔" اور حج کے امور کی تکمیل عرفات سے مزدلفہ کی طرف چلے جانے کے بعد ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد تشریق کے کم از کم دو راتیں وجوبی طور پر گزارنے کی تاکید کی تاکہ لوگ یہ راتیں گزارنے کو غیر ضروری سمجھ کر فقط عرفات سے مزدلفہ آنے اور پھر قربانی کرنے پر اکتفا کر کے یہ راتیں گزارنا چھوڑ نہ دیں۔ اسی وجہ سے اوپر والی آیات میں دو معطوفوں کے درمیان مَبِيت یعنی شب باشی یا رات گزارنے کو ذکر کیا، اس طرح اس میں زیادہ تاکید پیدا کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سیاق میں لوگوں کی دو اور اصناف کا بھی ذکر کیا ہے:

1- ایک فریق وہ ہے کہ دنیوی زندگی کے بارے میں اس کی باتیں تمہیں بڑی اچھی لگتی ہیں، اسے بات کرنے کا سلیقہ آتا ہے، بناوٹی الفاظ کا استعمال کر سکتا ہے، خود اعتمادی کے ساتھ بات کرنے کی قدرت رکھتا ہے، میٹھی اور چکنی چپڑی باتیں کر کے اپنی شیریں زبانی کا گرویدہ بنا لینے کے گُر جانتا ہے، اس کے ساتھ وہ اس بات پر اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہیں، جبکہ اسی وقت ایسا شخص دشمنی میں کٹرپن کی انتہاؤں پر کھڑا ہوتا ہے، نور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں دن رات ایک کئے ہوتا ہے۔

یہ آدمی آپ لوگوں سے الگ ہو کر جب کہیں جاتا ہے تو اس کی دوڑ دھوپ زمین میں فساد پھیلانے کے لیے ہوتی ہے، یوں بڑے پیمانے پر فصلیں اور نسلیں تباہ کرتا جاتا ہے، اور نہایت سُرعت اور پھرتی سے انسانوں، حیوانوں اور ہر قسم کے جانداروں کے قتل کے اسباب تلاش کرتا پھرتا ہے۔

اگر آپ اسے دیکھ لیتے ہیں پھر اس کے کرتوتوں کو اس پر واضح کر دیتے ہیں، اُسے اللہ کی یاد دلاتے اور ڈراتے ہیں، تو بجائے اس کے کہ وہ ظلم و تکبر اور اپنی بُری عادتوں سے باز آجائے، اس کی غیرت و حمیت جاگ جاتی ہے، اور اپنی بے راہ روی میں مزید بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ایسے شخص کا انجام دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔

(فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا) یعنی دنیا کے اُمور اور معاش کے اسباب میں، پس حیات سے مُراد اسبابِ حیات یعنی وسائلِ زندگی ہیں۔

(وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ)یعنی باطل کی حمایت میں سخت مخاصمت اور دُشمنی والا۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اور اَلَدّ صفت ہے جیسے اَحْمَرُ کیونکہ اس کی جمع لُدّ اور اس کا مؤنث لَدَّاءُ آتا ہے۔ یہ اَفعُل التفضیل نہیں، کیونکہ افعل التفضیل اپنے بعض کی طرف مضاف ہو کر آتا ہے، مثلاً (زيدٌ افضلُ القومِ)"زید اپنی قوم میں سے سب سے اچھا ہے۔" اور چونکہ خِصام بمعنی خصومت کے ہے، اس لیے بھی یہ افعل التفضیل نہیں ہو سکتا کیونکہ آدمی اپنے کام کا بعض نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں پھر اس کے معنی بنیں گے (وهو اَلَدَّ الخِصامِ) کہ وہ خصومت میں سے زیادہ خصومت والا ہے، جو کہ غلط ہے۔ بعضوں نے الخصام کے لفظ کو خَصمٌ کی جمع قرار دیا ہے۔ ہماری ذکر کردہ توجیہ کی بنیاد پر اَلَدُّ الِخصَامِ بمعنی اَلَدُّ الخُصُومةِ ہو گا۔ مگر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر اُسی معنی کو راجح قرار دیتی ہے جو ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے ، یعنی باطل کے حوالے سے سخت ترین مخاصمت والا، اور یہ کہ اَلَدُّ صفت ہے، افعل التفضیل نہیں، اس میں اس بات پر دلالتِ اشارہ موجود ہے کہ سخت مخاصمت مذموم ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ((اَبغضُ الرِّجالِ اِلَى اللهِ الاَلَدُّ الخَصْمُ))(بخاری مسلم ترمذی)"اللہ کے

ہاں تمام لوگوں میں مبغوض ترین آدمی وہ ہے جو مخاصمت میں سخت ترین ہو۔" یہ منافقین کی صفات میں سے ہے کیونکہ وہ دنیا سے بہت محبت کرنے کی وجہ سے اس کی خاطر لڑتے جھگڑتے بھی زیادہ ہیں۔

(وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ)یعنی فصلیں اور ہر ذی روح چیز۔ حرث کے معنی ہیں: کھیتی، اور نسل کے معنی ہیں: ہر ذی روح شے۔ کہتے ہیں نَسَلَ يَنسِلُ نُسُولاً بمعنی نکلنے کے۔ کیونکہ نسلیں بھی اپنے باپوں اور ماؤں کی پشتوں سے نکلتی ہیں۔

(اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ)عزت ذلت کا الٹ ہے مگر یہاں مجازی طور پر اس سے مُراد نخوت و غرور اور غیرت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شرم دلائی جانے اور ڈرانے کے باوجود گویا کوئی اس کو ناک سے پکڑ کر گناہوں کی طرف ہنکالے جاتا ہے یہ تکبر، ضد اور باطل پرستی میں بڑھے چلے جانے سے کنایہ ہے۔

(وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ۚ)یہ اس شخص کے گناہ کے سنگین اور بڑا ہونے پر دلالت کرتا ہے جو کسی گناہ کے کام میں مبتلاء ہو اور آپ اس کو تقویٰ اختیار کرنے کا کہتے ہیں اس کو نصیحت کرتے ہیں مگر وہ اس کے باوجود اس گناہ سے بچتا نہیں، نصیحت قبول نہیں کرتا بلکہ وعظ و نصیحت سے بے چینی میں مبتلا ہوتا ہے۔

یہ آیات(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (204) وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗوَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ (205) وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ۚ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ(206))

اَخنَس بن شَر ِیق کے بارے میں نازل ہوئیں جو بنی زَہرۃ کا حلیف تھا: " وہ نبی ﷺ کے پاس مدینہ آیا اور اپنا اسلام ظاہر کیا، نبی ﷺ کو اس کی یہ بات بہت پسند آئی اور یہ بھی کہا کہ میں صرف اسلام قبول کرنے کے ارادے سے آیا ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں سچا ہوں۔ پھر جب وہ نبی ﷺ کے پاس سے نکل گیا تھوڑا آگے جاکر مسلمانوں کے کھیتوں اور گدھوں کے پاس سے اس کا گزر ہوا تو اس نے کھیتوں کو آگ لگادی اور گدھوں کو مار ڈالا۔ "(تفسیر الدر المنثور 2/572، تفسیر طبری 2/312)

یہ الفاظ عام ہیں یہ اخنس اور ہر اس آدمی کو شامل ہیں جس کے اندر یہ صفات موجود ہوں اور اس قسم کے تمام لوگ اس میں داخل ہیں۔

(فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ) مِہاد کے معنی بستر کے ہیں، یہ الفاظ پھبتی کسنے کے لیے اور مذاق اُڑانے کے لیے ہیں کیونکہ دوزخ تو شعلہ بار آتش ہے، بستر نہیں جسے لیٹنے یا سونے کے لیے بچھایا جائے۔

2–اور ایک فریق وہ ہے جو اپنے آپ کو فروخت کرنے والا ہے اور اپنی جان کو اللہ کی راہ میں صرف کر دینے والا ہے، اور اس میں صرف اللہ کی رضا مطمحِ نظر ہوتی ہے، چنانچہ یہ گروہ نعمتوں والی جنت میں داخل ہو گا، فریق اول کی طرح یہ دنیا کی چکروں میں نہیں پڑتا بلکہ اس گروہ کا آخری مقصد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضاجوئی اور خوشنودی ہوتی ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے آیت کا اختتام (وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ) سے کیا ہے۔ عباد سے مؤمنین مراد ہیں، تو اللہ جل جلالہ ان پر مہربان ہیں، ان سے محبت کرتے ہیں، اور ان کی رہنمائی اس طرف

کرتے ہیں جہاں اس کی رضا ملے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فردوسِ بریں میں اعلیٰ ترین درجات پا لیتے ہیں۔

(يَّشْرِىْ نَفْسَهُ) 'اپنی جان کو بیچ دیتا ہے' یعنی جہاد اور اسلام کی طرف دعوت میں اس کو لگا دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے طرز پر ہے: (ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنة)

یہ آیت صحابیِ جلیل صہیب بن سنان رومی کے بارے میں نازل ہوئی تھی جیسا کہ ابنِ عباس اور انس بن مالک وغیرہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ مکہ میں اسلام قبول کر چکے اور مدینہ ہجرت کرنا چاہا تو لوگوں نے انہیں ہجرت کرنے سے روکا سوائے اس شرط پر کہ وہ اپنا مال ساتھ نہ لے جائے۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا اور ان سے جان چھڑانے کے لیے انہیں اپنا سارا مال دے دیا اور جیسا کہ روایت میں ہے کہ جس جگہ وہ مال موجود تھا اس کا پتہ بھی بتایا۔ پھر ہجرت کی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ الحرہ کی اطراف میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت کی ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ آپ کی بیع سود مند ہوئی، صہیبؓ نے کہا: اللہ آپ کو بھی تجارت میں نقصان سے بچائے، بات کیا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ آپ کے بارے میں یہ آیت (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ) نازل ہوئی ہے، اور ہمیں یہ بات رسول اللہ ﷺ نے بتلائی۔

اور حارث بن ابی اسامہ نے اپنی مسند میں اور ابن ابی حاتم نے سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: صہیبؓ نبی ﷺ کے پاس ہجرت کرنے نکلے تو قریش کے چند لوگوں نے ان کا پیچھا کیا، وہ اپنی سواری سے اترے اور اپنے ترکش سے تمام تیر نکال کر دکھائے اور کہا کہ اے

قریش والو! تمہیں پتہ ہے کہ میں تم سب سے زیادہ تیر انداز مرد ہوں، خدا کی قسم تم مجھ تک اس وقت تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میرے ترکش میں موجود سارے تیر ختم نہ ہو جائیں، تیر ختم ہونے کے بعد پھر میں اپنی تلوار سے اس وقت تک مارتا رہوں گا جب تک میری تلوار کا کوئی بھی حصہ میرے ہاتھوں میں باقی رہے۔ اب تمہاری مرضی، کرو جو کرنا چاہتے ہو۔ تم چاہتے ہو تو مکہ میں موجود اپنے مال کا پتہ بتا دیتا ہوں مگر میرا راستہ چھوڑنا ہو گا۔ قریشیوں نے کہا ٹھیک ہے۔ جب نبی ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ابو یحییٰ آپ کی بیع نفع بخش رہی۔
پھر یہ آیت (وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ) نازل ہوئی۔ حاکم نے مستدرک میں اسی طرح کی حدیث سعید بن مسیب عن صہیب سے موصولاً روایت کی ہے۔

یہ آیت اگرچہ صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی مگر اس کے الفاظ عام ہیں یہ ہر اس شخص کے لیے بشارت ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے یا اسلام کی طرف دعوت دیتے ہوئے کلمۂ حق کا اظہار کرے اور جہاد میں یا دعوت کی راہ میں اُسے کوئی اذیت پہنچ جائے، اور اپنے آپ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا میں کھپا دے، ایسے شخص کے لیے وہی بشارت اور خوشخبری ہے جو صہیب کو دی گئی تھی۔

ختم شد

متقی فوجی افسران کی صفت یہ ہے کہ وہ جہاد سے محبت کرتے ہیں اور اللہ کی خوشنودی کے لیے شہادت یا فتح کی جستجو میں رہتے ہیں

تحریر: مصعب عمیر، پاکستان

اسلام نے نہ صرف جہاد کو فرض قرار دیا، بلکہ جہاد کی خواہش کو اس قدر مضبوطی سے تشکیل دیا ہے کہ اس نے تیرہ صدیوں تک مسلم امت کو دیگر تمام اقوام سے ممتاز کر دیا۔ جہاد کے حکم نے امت مسلمہ کو اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کو شکست دینے کے لئے دانستاً بڑے نقصانات برداشت کرنے کے قابل بنایا۔ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے، مسلمانوں کی مسلح افواج نے اپنے سے خاصی بڑی طاقتوں کو زیر کیا جو فاسد عقائد، اپنے علاقے کے دفاع یا نسلی بالادستی کی خاطر لڑ رہی تھیں۔ اسلام کے غلبے کی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے مسلم مسلح افواج نے عملی طور پر اسلام کے نفاذ کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کیا۔ اس طرح لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے اور آج دنیا کے وسیع و عریض رقبے پر پھیلی ہوئی، مختلف رنگوں اور نسلوں سے تعلق رکھنے والی امت جہاد کے اسی حکم کی تعمیل کا نتیجہ ہے۔

1924 عیسوی میں مسلمانوں کی خلافت کہ دعوت و جہاد جس کی خارجہ پالیسی کی بنیاد ہوا کرتی تھی، کی تباہی کے بعد بھی امت کے اندر جہاد سے محبت مسلمانوں کے دشمنوں کو آج بھی خوفزدہ کرتی ہے۔ سربرینیکا Serbrenica قتلِ عام کی 25 ویں سالگرہ اس کی ایک مثال ہے، جب 11 جولائی 1995 کو اقوام متحدہ کے ڈچ فوجیوں نے سربرینیکا قصبے کو بلا حفاظت چھوڑ دیا، تو گیارہ دن

کے عرصے میں سربوں نے تقریبا 8000 بوسنیائی مسلمان مردوں اور لڑکوں کو قتل کر دیا، اس صورتِ حال کے پیشِ نظر برطانیہ کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ اقوام متحدہ کی کمانڈ کے تحت موجود مسلمان فوجی سربوں سے لڑنے کے لئے صفیں توڑ دیں گے۔ یہ جہاد سے محبت ہی تھی کہ جس نے سوویت روس کو افغانستان میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا تھا، اور اب اس کے بعد امریکہ بھی اپنی ساکھ کو بچانے کے لیے معاہدے کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں میں جہاد کی محبت ہندو ریاست کو خوف زدہ کیے ہوئے ہے، اور اسے 5 اگست 2019 کو مقبوضہ کشمیر پر زبردستی قبضہ کر لینے کے باوجود آج تک شدید مزاحمت کا سامنا ہے۔

موجودہ مسلم حکمران مسلح افواج کے اندر جہاد سے محبت کو پروان چڑھانے کی بجائے، مغربی طاقتوں اور ان کے ہندو ریاست اور یہودی وجود جیسے اتحادیوں کے ایما پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں جہاد کے خلاف مہم چلا رہے ہیں۔ جہاں تک پاکستان کے حکمرانوں کی بات ہے، تو وہ پاکستان کی مسلح افواج میں موجود مسلمانوں میں موجود جنگ لڑنے کی شدید خواہش کی حوصلہ شکنی کے لیے تیزی سے سرگرم عمل ہیں جو مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لئے لڑنا چاہتے ہیں۔ مسلمان افسران اور فوجیوں کے اندر کشمیر میں لڑنے اور اس آزاد کروانے کے لئے جوش وخروش کو بڑھانے کی بجائے، وہ دشمن سے لڑنے کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ وہ یا تو دشمن کے پاس ایٹمی ہتھیاروں کی موجودگی یا ہماری معیشت کی کمزوری کا بہانہ بنا کر اس سوچ کو فروغ دے رہے ہیں کہ جنگ کوئی آپشن نہیں ہے۔ مسلمانوں کے جابر حکمران اُن عالی شان مسلمانوں کو "دہشت گرد" قرار دے کر ان کی ملامت کرتے ہیں جو کسی بھی جگہ کفار کے قبضے کے خلاف لڑتے ہیں۔ تاہم تمام استعماری منصوبوں

کی طرح، جہاد کو دبانے کی یہ کوشش بھی ناکام ہو گی کیونکہ امت اللہ سبحانہ و تعالی اور اس کے رسول صلی ﷺ سے مستقل وابستگی رکھتی ہے اور اس کے اندر اچھائی اس کی مسلح افواج سمیت اس کے جسم کے ہر حصے میں موجود ہے۔

وہ فوجی افسر جو اللہ سبحانہ وتعالی اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ وفادار ہے اسے اپنے دل و دماغ میں یہ طے کرنا ہو گا کہ اسلام نے جہاد کو بطورِ فرض مقرر کیا ہے، جسے نظر انداز کرنا اللہ کے غضب کو دعوت دیتا ہے، جب کہ اس فرض کو ادا کرنا اجرِ عظیم کا باعث ہے۔ آیئے اس پر غور کریں کہ قرآن مجید میں جہاد کے متعلق کیا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا: كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ "قتال تم پر فرض کیا گیا ہے اور تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور یہ تمہارے لیے اچھی ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز تمہیں پسند ہو اور وہ تمہارے لیے بُری ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔" (البقرہ:216)۔ اِس مقدس آیت میں، اللہ سبحانہ وتعالی نے اُن مسلمانوں کے لئے جہاد فرض کر دیا ہے کہ جو اسلام کے خلاف سرکشی کرنے والے دشمن کے شر کے خلاف جہاد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہی اسلام تسلیم کرتا ہے کہ لڑائی ایسی چیز ہے جو نفوس میں ہچکچاہٹ پیدا کرتی ہے اور اللہ نے اس ہچکچاہٹ کو مؤثر انداز سے حل کیا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالی نے فرمایا، ﴿وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ﴾ "اگرچہ تم اسے ناپسند کرتے ہو" جس کا مطلب ہے کہ لڑائی مشکل ہے اور دلوں پر بھاری ہے۔ درحقیقت لڑائی ویسی ہی ہے جسطرح یہ

آیت بیان کرتی ہے۔ لڑائی کا مطلب ہے زخموں کا سامنا کرنا، جان کی قربانی، دشمنوں کے خلاف جدوجہد اور سفر کی مشقت و صعوبتیں۔ لڑائی کبھی سیاچن جیسی شدید سردی کو براشت کرنے کا تقاضا کرتی ہے اور کبھی صحرائے تھر کی شدید گرمی کا سامنا کرنے کا۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، ﴿وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ "اور یہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی ایسی چیز کو ناپسند کرو جو تمہارے لیے اچھی ہے" یعنی لڑائی کے بعد فتح اور دشمن پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سنت میں جہاد کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا، مسلم فوجی افسران اس بارے میں غور کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں جہاد کی اہمیت نہایت واضح ہے۔ صحیح میں مذکور ہے، «مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ نَفْسَهُ بِالْغَزْوِ ،مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّة» "جو شخص مرا لیکن نہ تو کبھی اس نے (اللہ کی راہ میں) لڑائی کی، اور نہ ہی خلوص سے لڑنے کے بارے میں سوچا، تو وہ جاہلیت کی موت مرا (یعنی اسلام سے پہلے دَور کی موت)"۔ فتحِ مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ وَلكِنه جِهَادٌ وَنِيَّةٌ ، وَإِذَا اسْتُنْفِرْتُمْ فَفِرُ » فتح (مکہ) کے بعد (مدینہ کی طرف) کوئی ہجرت نہیں، اب صرف جہاد اور اچھی نیت ہے، پس اگر تم سے جہاد کے لیے نکلنے کا کہا جائے تو نکل پڑو (بخاری)۔ عظیم محدث زُہری کہتے ہیں کہ "ہر شخص کے لیے جہاد کرنا ضروری ہے، خواہ وہ درحقیقت لڑائی میں شامل ہو یا پیچھے رہ جائے۔ جو پیچھے رہ جائے اُسے حمایت کرنی چاہیئے، اگر حمایت مہیا کر دی گئی ہو؛ تو اُسے امداد فراہم کرنی چاہیئے، اگر امداد کی ضرورت ہو؛ اور اگر اسے حکم دیا جائے تو اسے آگے بڑھنا چاہیئے۔ اور اگر اسکی ضرورت نہ ہو تو وہ پیچھے رہے"۔ دراصل، سنت مسلح افواج کے مسلمانوں کو اس شے کی طرف بلاتی ہے کہ جس سے محبت کی جانی چاہیئے، یعنی اللہ کی راہ میں لڑنا، شہادت یا فتح کے حصول کی پوری

کوشش کرنا۔ رسول ﷺ نے فرمایا «ما أحد یدخل الجنة یحب أن یرجع إلی الدنیا وله ما علی الأرض من شيء، إلا الشهید، یتمنی أن یرجع إلی الدنیا فیقتل عشر مرات، لما یری من الكرامة» " کہ جنت میں داخل ہو جانے کے بعد کوئی بھی دنیا میں واپس جانے کو پسند نہیں کرے گا سوائے مجاہد کے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ملنے والی عزت کے سبب دنیا میں واپس آنا چاہے گا تاکہ اسے دس بار شہید کیا جائے (بخاری)۔

مومن آرمی آفیسر غور کریں کہ اسلام کی پہلی اور بہترین نسل نے لوگوں کو ظالم حکمرانوں سے آزاد کروانے کے لئے جہاد کیا، تاکہ وہ عملی طور پر اسلام کا مشاہدہ کر سکیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ قَاتِلُواْ الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُواْ أَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ "اے ایمان والو اُن کافروں سے لڑو جو تمہارے قریب ہیں، اور چاہیئے کہ وہ تم میں سختی پائیں، اور جان لو کہ اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے ساتھ ہے" (التوبہ:123) اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مومنین کو پہلے اسلامی ریاست کے قریب ترین کافروں سے لڑنے کا حکم دیا اور پھر اُن سے جو دور ہیں۔ اِس طرح رسول اللہ ﷺ نے جزیرہ نما عرب میں مشرکین سے لڑنا شروع کیا۔ جب اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں مکہ، مدینہ، طائف، یمن، یمامہ، حجر، خیبر، حضرالموت اور دیگر عرب صوبوں پر غلبہ عطا کیا، اور مختلف عرب قبائل اسلام میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اہلِ کتاب کے خلاف جہاد کی ابتداء کی۔ آپ ﷺ نے رومیوں سے لڑنے کے لئے تیاریوں کا آغاز کیا جو علاقے میں جزیرہ نما عرب سے قریب ترین تھے، اور اس طرح، اسلام کی دعوت پانے کا سب سے پہلا حق رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ہجرت کے

نویں سال تبوک کی جانب پیش قدمی کی، اور اِسطرح اُمت کو اس وقت کی صف اول کی ریاستوں کا مقابلہ کرنے کی راہ پر گامزن کر دیا۔

کیا متقی فوجی افسران جہاد کی لگن میں خلفائے راشدینؓ کے اقدامات پر غور نہیں کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت نے جہاد کا پورا حق ادا کیا۔ پہلے خلیفہ راشد، ابو بکر صدیقؓ نے رومی صلیبیوں اور فارسی آتش پرستوں سے لڑنے کے لئے اسلامی لشکروں کی تیاری شروع کر دی۔ اس بابرکت مشن میں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُن کے لئے روم و فارس کے علاقوں کو کھول دیا اور قیصر و کسریٰ کو ذلیل ورسوا کر دیا۔ دوسرے خلیفۂ راشد، عمر بن الخطابؓ کے ہاتھوں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا کے مشرقی اور مغربی حصوں کو اسلامی حکمرانی کی روشنی کے لیے کھول دیا اور کفار کو پست و مغلوب کر دیا۔ پھر تیسرے خلیفہ راشد عثمانؓ کے دور میں ، برصغیر پاک وہند سمیت، دنیا کے مختلف حصوں میں اسلام کی غیر متزلزل حقیقت کو قائم کیا گیا۔ اور چوتھے خلیفہ راشد علیؓ نے تین براعظموں پر محیط غلبے کو مستحکم کیا۔ اس طرح، خلفاء راشدینؓ نے اللہ سبحانہ وتعالی کے اس حکم کی گواہی دیتے ہوئے کہ ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ "اور جان لو کہ اللہ تقویٰ رکھنے والوں کے ساتھ ہے"، اسلام کو ترقی دی۔

باخبر فوجی افسر کو ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جب جہاد کو نظر انداز کیا گیا تو دشمن اسلام کی چوکیوں پر حملہ کرنے پر حریص ہو گئے اور انہوں نے بہت سی اسلامی سرزمینوں پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ پھر بھی، جب کسی عادل مسلم حکمران یا فوجی کمانڈر نے جہاد کا حکم پورا کیا، تو اللہ تبارک وتعالی نے اس کی مدد کی اور اسے دشمن کے خلاف فتح یاب کیا۔ بے شک جہاد کے حکم کی ادائیگی سے عزت

ملتی ہے جبکہ اس سے غفلت ذلت کا باعث بنتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، «مَا تَرَكَ قَوْمٌ الْجِهَادَ إِلاّ ذُلّوا» "جو بھی قوم جہاد کو ترک کرتی ہے ذلیل ہو جاتی ہے" [احمد]۔ پس مسلمانوں نے جب جہاد کو نظر انداز کیا تو وہ منگولوں کے ہاتھوں مغلوب ہو گئے اور بالآخر انہوں نے عین جالوت کی لڑائی میں اُنہیں شکست دی۔ وہ مسلمان جنہوں نے جہاد کو نظر انداز کیا، صلیبیوں نے انہیں مغلوب کر لیا، یہاں تک کہ انہوں نے صلاح الدین کی قیادت میں پے در پے کامیابیاں حاصل کیں۔ جہاں تک خلافتِ عثمانیہ کی بات ہے، اس نے جہاد کو اس طرح آگے بڑھایا کہ یورپ کے دارالحکومت ایک ایک کر کے گرنے لگے اور جو ابھی باقی تھے وہ مسلمانوں کی فوج کے خوف سے لرز اٹھے۔

جنّت کے متلاشی فوجی افسر کو چاہئے کہ وہ اُمّت کی موجودہ صورتحال پر غور کرے، وہ تمام مخلوقات کے ربّ نے جو حکم نازل کیا اس پر غور کرے اور ان نیکوکاروں کی تاریخ کے متعلق کہ جنہوں نے جہاد کے حکم کو پورا کیا اور ان لوگوں پر بھی جنہوں نے جہاد کے فرض میں کوتاہی کی، اور اس بات کا تعین کرے کہ وہ کہاں کھڑا ہے؟ بے شک جب 1924 میں امت اپنی ڈھال یعنی خلافت سے محروم ہوئی تو اس کے ساتھ ہی وہ اسلام کے لئے نئی سرزمین کھولنے کے جہاد سے بھی محروم ہو گئی۔ دشمنوں نے اس کی سرزمین پر قبضہ کر لیا، خواہ یہ یہودی وجود ہو جو مغرب میں فلسطین پر قابض ہے یا ہندو ریاست جو مشرق میں کشمیر پر قابض ہے۔ تاہم خلافت کے نہ ہونے کے باوجود، ہماری زمین پر قبضہ کرنے والے کفار سے لڑنے کا حکم ساقط نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، والجهاد ماض منذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخر أمتي الدجال لا يبطله جور جائر ولا عدل عادل، والإيمان بالأقدار "اور اللہ کی جانب سے میرے نبی

مبعوث ہونے کے دن سے لیکر اُس دن تک جہاد جاری رہے گا جب میری اُمّت کا آخری فرد دجال کے ساتھ لڑے گا۔ کسی بھی ظالم کا ظلم اور کسی بھی عادل (حکمران) کا انصاف اسے باطل نہیں کرے گا۔[ابو داؤد] لہذا، کفار سے لڑنا واجب ہے، خواہ مسلمانوں کا حکمران خلیفہ ہو، یا مسلمانوں کا حکمران اسلام کے ذریعہ حکمرانی نہ کرتا ہو۔ چنانچہ مسلم افواج پر یہ فرض ہے کہ وہ قابض افواج کا مقابلہ کرنے کے لئے متحرک ہوں، اگر حکمران فوج کو روانہ کرنے پر راضی ہو جاتا ہے تو اُس نے درست اقدام کیا اور اگر اس نے فوج کو لڑنے سے روکنے کی کوشش کی، اور اس کے راستے میں حائل ہوا تو، فوج سے کوئی صلاح الدین آئے، جو ایسے حکمران کو اپنے پیروں تلے روند ڈالے، اور مبارک سرزمینوں کو قبضہ سے پاک کرنے کے لئے فوج کو متحرک کرے۔

یہ واضح ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ حکمران ایک فوجی افسر اور اللہ سبحانہ وتعالی کی اطاعت کی بیچ میں حائل ہیں۔ موجودہ حکمران اعلان کرتے ہیں کہ جنگ کوئی آپشن نہیں ہے اور جنگ کرنے والے کو اُمت کا دشمن قرار دیتے ہیں۔ یہ حکمران اُن لوگوں پر ظلم کرتے ہیں جو خود ہتھیار اٹھاتے ہیں خواہ یہ افغانستان میں امریکیوں کے خلاف ہو یا مقبوضہ کشمیر میں ہندو ریاست کے خلاف۔ اور بدترین بات یہ ہے کہ انہوں نے قابض کفار کے ساتھ تعلقات معمول پر لانے کی کوششیں شروع کر رکھی ہیں، جو محض ان کفار کے قبضے کو مزید مستحکم کرے گا۔ حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالی نے حکم دیا ہے کہ:وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ"اور جہاں بھی تم انہیں پاؤ ان کو قتل کرو اور اُنھوں نے جہاں سے تمہیں نکالا وہاں سے تم بھی اُنھیں نکال دو"(البقرہ:191)۔ اس مقدس آیت کا اطلاق ان تمام دشمنوں پر ہوتا ہے جو اسلام اور اس کے پیروکاروں سے لڑنے میں مصروف ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنی توانائی دشمن سے لڑنے

میں صرف کرنی ہے، جس طرح ان کی توانائی ہم سے لڑنے پر خرچ ہوتی ہے، اور ہم اپنی توانائیاں انہیں ان علاقوں سے بے دخل کرنے پر خرچ کریں جہاں سے انہوں نے ہمیں نکالا ہے۔

ایک فوجی افسر کے لئے یہ واضح ہے کہ موجودہ حکمران نہ تو قابض افواج کو مسلم سرزمین سے نکالیں گے اور نہ ہی خلافت کو بحال کریں گے کہ نئے علاقوں کو اسلام کے لئے کھولنے کے فرض کی ادائیگی دوبارہ شروع ہو جائے۔ یہ ذمہ داری مسلح افواج کے ہر افسر پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اس سخت اور شدید صورتحال کا ازالہ کرے۔ ہر افسر پر لازم ہے کہ وہ امت کا ساتھ دے اور اپنے اوپر عائد ہونے والی جہاد کی عظیم ذمہ داری کو پورا کرے۔ فوجی افسران پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ موجودہ حکمرانوں کو اقتدار کے ایوانوں سے نکال باہر کریں، اور نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کے ازسرنو قیام کے لئے اپنی مدد ونُصرت پیش کریں۔ صرف اسی صورت میں، وہ اللہ کی راہ میں لڑنے کی سعادت حاصل کریں گے، اور پوری دنیا سے ظلم کا خاتمہ کر سکیں گے۔ پس آج کے مسلمان فوج کے افسران انصار کی طرح ہو جائیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ایسی تائید کی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی آیات میں ان کی تعریف کی اور فرشتے ان کے سردار سعد بن معاذؓ کے جنازے پر اُمڈ آئے۔ ترمذی نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذؓ کے جنازے کے بارے میں فرمایا، «اِنَّ الْمَلَائِكَةَ كَانَتْ تَحْمِلُهُ "بے شک، فرشتوں نے ان کا جنازہ اٹھا رکھا ہے" مبارک ہیں آج کے وہ فوجی افسر جو انصار کی پیروکار بنیں۔

ختم شد

بھارت کا S-400 کا حصول-برصغیر میں طاقت کے توازن کو اپنے حق میں موڑنے کی ایک ناکام کوشش

تحریر: عبدالمجید بھٹی

خبر:

چین سے سرحدی تصادم کے بعد، بھارت کی جانب سے روس سے درخواست کی گئی ہے کہ S-400 ائیر ڈیفنس سسٹم کی فوری ترسیل کی جائے۔ روس نے یقین دہانی کرائی ہے کہ اس کی جانب سے بنیادی ساز وسامان جیسے میزائل اور بم وغیرہ بھارت کے استعمال کے لئے جلد مہیا کیے جائیں گے۔[1] جبکہ دیگر ساز وسامان اگلے سال تک مہیا کر دیا جائے گا اور یہ گمان ہے کہ S-400 نظام 2021ء کے آخر تک اپنی پوری عملی صلاحیت پر پہنچ جائے گا۔[2] بھارتی فوجی افسران کا ماننا ہے کہ S-400 کے حصول سے نہ صرف چینی جارحیت کی حوصلہ شکنی ہو گی بلکہ پاکستان پر بھارت کو فضائی برتری بھی دے گا۔ چند ماہرین کا یہ بھی کہنا ہے کہ S-400 ائیر ڈیفنس سسٹم بھارت کے لئے ہر لحاظ سے خوش آئند ثابت ہو گا۔

تبصرہ:

Clausewitz نے ایک موقعہ پر کہا تھا کہ جنگ دراصل سیاسی اہداف ہی کے حصول کا ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ اس بات کا رجحان موجود ہے کہ فوجی افسران عسکری منصوبوں پہ اتنی توجہ دیں کہ سیاسی مقاصد نظر انداز ہو جائیں۔ S-400 کا معاملہ بھی اس کی ایک مثال ہو سکتا ہے۔

S-400 ایئر ڈیفنس سسٹم سب سے پہلے روس نے 2007 میں متعارف کرایا، جو کہ اس سے پرانے S-300 سسٹم کی جدید شکل ہے۔ S-400 امریکی THAAD اور PAC-3 ایئر ڈیفنس سسٹم کے مدِ مقابل سمجھا جاتا ہے اور کئی لحاظ سے امریکی ٹیکنالوجی سے بہتر ہے۔ 2017 میں دی۔اکانومسٹ نے S-400 کو خراجِ تحسین پیش کیا اور اسے بہترین ایئر ڈیفنس سسٹم قرار دیا۔[3] ممکنہ طور پر کئی ممالک S-400 خریدنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ Kremlin نے دعوٰی کیا ہے کہ 2021 میں S-500 منصوبے کا آغاز کیا جائے گا جو زمین سے فضا میں ہدف کو نشانہ بنانے کی مہارت رکھتا ہو گا۔ یعنی S-400 میں مزید جدت لائی جائے گی، جو امریکی دفاعی نظام کے لئے مزید تشویش کا باعث بنے گا۔

S-400 سسٹم مختلف اجزا پر مشتمل ہے، جس میں میزائل، لانچر، انٹر سیپٹر، اور رڈار شامل ہیں، جو فضائی دفاع کو مرحلہ وار تقویت فراہم کرتے ہیں۔ روس اور چین، دونوں S-400 کا بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں، چونکہ دونوں ممالک کا دفاعی نظام انتہائی جدت پر مبنی ہے، لہٰذا S-400 کا حصول سونے پہ سہاگہ ثابت ہو گا۔[4] جبکہ ترکی اور بھارت موجودہ فضائی دفائی نظاموں کے ساتھ محدود انضمام کے باعث S-400 کے بھرپور فوائد سے محروم رہیں گے۔

بھارت 5 عدد S-400 بیٹریوں کے حصول کے لئے سرکردہ ہے، جن میں سے دو کی تنصیب پاکستانی سرحدوں کے نزدیک، جبکہ بقایا تین چین کی سرحدوں کے نزدیک نصب کی جائیں گی۔ اور اس سب پر 5.2 ارب امریکی ڈالر کی لاگت آئے گی۔ چین، جو کہ اپنے جدید فضائی نظام کے ساتھ، S-400 ٹیکنالوجی کا حامل ہے، بھارت کے ان اقدام سے زیادہ متاثر نہ ہو گا۔ دیگر جنگی میدان

جیسے زمینی، فضائی، یا خلائی سطح میں چین کو واضح برتری بھی حاصل ہے۔ مزید بر آں، چین کی قیادت کی مرکزیت، کمپیوٹر ٹیکنالوجی اور انٹیلی جنس (C4i) میں مہارت بھارت سے کہیں زیادہ ہے۔ بھارت کی زیادہ تر اہم ٹیکنالوجی یا تو روسی ساختہ ہے، یا پھر اس کو پیپلز لبریشن آرمی (PLA) با آسانی اپنا ہدف بنا سکتی ہے۔

بھارت کی فوج چین کے مقابلے میں کافی کمزور ہے، جس کی بنیادی وجہ بھارت کا روسی عسکری ٹیکنالوجی سے امریکی عسکری ٹیکنالوجی پر منتقلی اور ان کے درمیان مطابقت نہ ہونا ہے۔[5] اس پیچیدگی میں مزید اضافہ S-400 کے حصول اور فرانسیسی Rafael طیاروں کے ذریعے اپنے تیزی سے فرسودہ ہوتے طیاروں کو تبدیل کرنے کا بھارتی فیصلہ ہے، لیکن ٹیکنالوجی میں مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے یہ بھارت کے دفاعی اور جارحانہ نظم کو کافی حد تک غیر مؤثر بنا دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھارت کی امریکا کے وضع کردہ چہار ملکی (جاپان، امریکا، آسٹریلیا، اور بھارت) دفاعی پلان، جو بحر ہند اور ایشیاء پیسیفک کے علاقے پر محیط ہے، کے ساتھ ہم آہنگی کا سوال بھی اپنی جگہ قائم ہے۔ امریکا جو بھارت کے S-400 کے حصول سے قدرے نالاں ہے، کئی موقعوں پر بھارت کو پابندیوں جیسے سنگین نتائج کی دھمکی دے چکا ہے۔

علاوہ ازیں، چین اپنے زیرِ اثر ریاستوں میں جہاں بھارتی اثر ورسوخ موجود تھا، بھارت کو وہاں بھی گزند پہنچانے میں کوشاں ہے۔ بھارت اور چین کے اس تنازعے کے نتیجے میں نیپال نے بھی اپنی فوجیں اپنی بھارتی سرحد پر تعینات کر دی ہیں۔ دوسری جانب بنگلادیش 2005 سے چین کا سب سے بڑا تجارتی شریک ہے۔ حال ہی میں چین کی جانب سے بنگلادیش سے آنے والی 97٪ بنگلادیشی

مصنوعات پر سے تجارتی ٹیکس ہٹا دیا گیا ہے۔[6] چین، پاکستان اور سری لنکا میں بندر گاہیں چلا رہا ہے اور کاکس بازار میں ایک بحری آبدوز کے اڈے کے قیام کا بھی اہتمام کر رہا ہے۔ ان کے باعث چین اپنی بحری نقل و حرکت کو مزید متحرک بنا سکے گا اور بھارتی بحری عزائم کیلئے رکاوٹ کھڑی کر سکے گا۔ ان سب حقائق کی روشنی میں یہ سمجھنا مشکل ہے کہ S-400 کا حصول بھارت کو چین سے لداخ پر ہونے والی حالیہ یا مستقبل میں ہونے والی عسکری جھڑپوں میں خاطر خواہ نتائج اخذ کرنے میں کوئی مدد دے گا۔

البتہ S-400 کا حصول پاکستان کے خلاف بھارت کو ضرور فضائی برتری دلوا سکتا ہے لیکن باریک بینی سے مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بھارت کو S-400 بیٹریوں کا پاکستان کے خلاف مکمل فائدہ اٹھانے کیلئے محنت کرنی پڑے گی۔ اگر ان بیٹریوں کو LOC کے نزدیک نصب کیا جاتا ہے تو بھارت کو پاکستان کے خلاف مزید 64 اہداف 300-400 کلومیٹر تک حاصل ہوتے ہیں. البتہ اونچائی اور پہاڑی سلسلے کے باعث رڈار اور دیگر سنسر کے متاثر ہونے کے باعث ان بیٹریوں کی عملی افادیت میں کمی واقع ہو گی، ساتھ ہی ساتھ پاکستانی میزائل جیسا کہ غوری، شاہین-1A غزنوی، ابدالی، CM-400 AKG، اور ڈرون طیارے بھی ان کو آرام سے ہدف بنا سکتے ہیں۔ پاکستان MIRV ابابیل سٹرائک پیکج کے ذریعے بھی S-400 کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ پاکستانی فضائیہ سے بچانے کے لئے لازم ہے کہ بھارت ان بیٹریوں کو پاکستانی سرحد سے دور نصب کرے جو پاک فضائیہ پر خطرے کو کم کر دے گا۔ یاد رہے کہ پاکستان کو اگر S-400 کی تنصیبات کی پیشگی اطلاع مل جائے تو براہِ راست کمانڈو خفیہ آپریشن کے تحت بھی ان بیٹریوں کو ناکارہ بنایا

جا سکتا ہے۔

اگر پاکستان نے کشمیر کو آزاد کروانے کی کوشش کی تو یہ S-400 بھارت کو کسی قسم کا فائدہ پہنچانے سے قاصر ہیں۔ جہاں تک کشمیری عوام کا تعلق ہے تو وہ پہلے ہی بھارتی تسلط سے تنگ اور بیزار ہیں اور ان کے خلاف پاکستانی افواج کا ساتھ دینے پہ تیار ہوں گے۔ کشمیر کے معاملے میں 1971 والی بازگشت کو نہیں دہرایا جائے گا، جہاں بنگالی عوام کو اکیلا چھوڑ دیا گیا تھا جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے مداخلت کر کے پاکستان کو کاٹ دیا تھا۔

عسکری قیادت اکثر جنگی ماحول جیسے اسلحہ جات کا میدانِ جنگ میں استعمال اور اس کے متوقع نتائج میں الجھ کر معاملات کی بڑی تصویر کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ لہٰذا یہ اسٹریٹیجک دور اندیشی رکھنے والے سیاست دانوں کا ہی کام ہے کہ بیشتر فوجی طاقت کے استعمال کے بغیر کامیاب سیاسی اہداف کا تعین کریں۔ اس تناظر میں یہی وقت ہے کہ کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ کیا جائے۔ بھارت ابھی تین عسکری محاذوں پر الجھا ہوا ہے جن میں، نیپال، پاکستان، اور چین شامل ہیں۔ بھارت کے زیر اثر ریاستیں اس کو تقویت پہنچانے کی بجائے وبال بنی ہوئی ہیں، جبکہ اسکی عسکری طاقت بھی تبدیلی کے مرحلے سے گزرنے کے باعث کمزور پڑی ہوئی ہے۔ اس سب صورتحال میں اگر 20 سے زائد علیحدگی پسند تحریکیں اور 20 کروڑ بھارتی مسلمان، جو مظالم سے نجات کی راہ تک رہے ہیں، شامل کیے جائیں تو داخلی عدم استحکام کا امکان انتہائی زیادہ ہے۔ اس سب میں S-400 کا حصول بھارت کو خاطر خواہ نتائج کی فراہمی میں کوئی مدد فراہم کرنے سے قاصر ہے۔ اگر پاکستان عقل مندی سے اپنی چال چلے اور اپنے مہروں کو احسن انداز میں ترتیب دے تو نہ صرف کشمیر کے الحاق کو یقینی بنایا

جاسکتا ہے بلکہ علیحدگی پسند تحریکوں کے ذریعہ بھارتی فوج کو ناکوں چنے چبوا کر آنے والے مستقبل کیلئے برصغیر کا نقشہ بھی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کیلئے لکھا گیا

منجانب: عبدالمجید بھٹی

حوالہ جات:

[1,2] The Print, (2020). "Russia to deliver S-400 by 2021-end, but will supply missiles and bombs amid LAC tensions". [online] The Print. Available at: https://theprint.in/defence/russia-to-deliver-s-400-by-2021-end-but-will-supply-missiles-and-bombs-amid-lac-tensions/452285/ [Accessed 07 Jul. 2020].

[3] The Economist, (2017). "Turkey and Russia cosy up over missiles". [online] The Economist. Available at: https://www.economist.com/europe/2017/05/04/turkey-and-russia-cosy-up-over-missiles [Accessed 07 Jul. 2020].

[4] Stratfor (2019). "Why the S-400 Missile is Highly Effective — If Used Correctly". [online] Stratfor. Available at: https://worldview.stratfor.com/article/why-s-400-s400-

missile-long-range-turkey-russia-syria-effective [Accessed 07 Jul. 2020].
[5] The Business Recorder, (2018). "The US is trying to boost its military ties with India, but Russian weapons are getting in the way". [online] The Business Recorder. Available at: https://www.businessinsider.com/russian-weapons-causing-problems-for-us-india-military-ties-2018-6 [Accessed 07 Jul. 2020].
[6] The Economic Times, (2020). "China wooes Bangladesh, provides tariff exemption for 97% of exports from Dhaka". [online] The Economic Times. Available at: https://economictimes.indiatimes.com/news/defence/nepal-on-its-side-china-now-woos-bangladesh/articleshow/76477205.cms?from=mdr [Accessed 07 Jul. 2020].

ختم شد

5 اگست اور مقبوضہ کشمیر میں سیاسی جنگ

تحریر: خالد صلاح الدین

5 اگست 2020، کو مقبوضہ کشمیر میں آرٹیکل 370 کی حیثیت ختم کرکے اسے آئینی طور پر متحدہ ہندوستان میں ضم ہوئے ایک سال گزر گیا۔ کشمیر میں جدوجہدِ آزادی ایک باریک بین اور مشاہدہ کرنے والے مومن کے لئے ایک غور طلب زاویہ دیتی ہے کہ کیسے ایک مومن کے نزدیک ایک فرض (واجب) کا تصور اس کو درپیش مسائل کے حل تلاش کرنے کا باعث بنتا ہے، چاہے ان مسائل کو حل کرنا بظاہرنا ممکن ہی کیوں نہ لگتا ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے، لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا "اللہ کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا"۔ (سورۃ البقرۃ 286) اور جہاد کے حکم کا نفاذ بھی لازماً ممکن ہے، ورنہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے فرض قرار نہ دیتے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ حکم دیتا ہے کہ، وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ ۚ "اور انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے۔" (سورۃ البقرۃ 191) اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری صلاحیتیں دشمنوں سے لڑنے میں صرف ہونی چاہئیں، بالکل ویسے ہی جیسے ان کی صلاحتیں ہم سے لڑنے میں خرچ ہوتی ہیں اور ان کو اس جگہ سے نکالنے میں، جہاں سے انھوں نے ہمیں نکالا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں۔ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ "اے ایمان والو! اپنے نزدیک کے کافروں سے لڑو اور

چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں، اور جان لو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔"(سورۃ البقرۃ 123)
اور رسول ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ **مَا تَرَكَ قَوْمٌ الْجِهَادَ إلاّ ذُلّوا** "جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے وہ ذلیل و رسوا ہو جاتی ہے" (احمد) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **وَالْجِهَادُ مَاضٍ مُنْذُ بَعَثَنِيَ اللَّهُ إِلَى أَنْ يُقَاتِلَ آخِرُ أُمَّتِي الدَّجَّالَ لاَ يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَلاَ عَدْلُ عَادِلٍ، وَالإِيمَانُ بِالأَقْدَار** "اور جہاد ہمیشہ جاری رہے گا اس وقت سے جب سے اللہ نے مجھے نبی مبعوث کیا اس وقت تک جب تک میری امت کا آخری فرد دجال سے نہیں لڑ لیتا۔ نہ کسی ظالم کا ظلم اور نہ کسی عادل کا عدل اس کو ختم کر سکتا ہے"(ابو داؤد)

یہ اور اس جیسے کئی دلائل ایک مومن کو واضح کرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قانون نافذ ہو کر رہے گا۔ یہ اور دیگر کئی دلائل جس فکر کا تقاضا کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ کا حکم لازماً نافذ ہونا چاہئے۔ یہ فکر ایک حل کی تلاش کی طلب اجاگر کرتی ہے۔ لہٰذا حریت کیلئے جنگ اور اس کی تیاری لازم ہے۔ جنگ کو بطور حل سمجھنا جنگ میں فتح کے امکانات پر کئی سوالات کو جنم دیتا ہے۔ چونکہ فتح یا شکست صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے، بحیثیت مسلمان ہمیں ضرورت ہے کہ فتح کو ممکنہ نتیجہ کے طور پر مدِ نظر رکھیں۔ آیئے اس کشمیر کی آزادی کے حوالے سے موجود آپشنز کو اس فکر کے تناظر میں دیکھیں۔

چونکہ دونوں ممالک، پاکستان اور بھارت، ایٹمی قوت کے حامل ہیں لہٰذا جنگ روایتی طریقے سے ہی لڑی جائے گی، وگرنہ ایٹمی ہتھیار کے استعمال کی صورت میں دونوں ممالک کے لئے باہم تباہی ناگزیر ہو گی۔ اور اگر روایتی طریقے کو مد نظر رکھا جائے تو حقائق، کم از کم اعداد و شمار کی بنیاد پر، پاکستان کے منافی ہیں جہاں بھارت کو تقریبا تمام روایتی زاویوں میں پاکستان پر تین گنا کی برتری

حاصل ہے۔
البتہ جنگی محاذ کی کوئی فکس حدود نہیں ہوتیں، تو وہ کیا بات ہے جو پاکستان کو کشمیر میں کسی قسم کی عسکری کاروائی کرنے اور ساتھ افواجِ پاکستان کے ذریعے کشمیر میں اعلانِ جنگ کرنے سے روکے ہوئے ہے۔ کشمیر کی 120 لاکھ کی آبادی میں سے 90 لاکھ مسلمان ہیں، جن میں اکثریت مکمل طور پہ بھارت مخالف جذبات رکھتے ہیں۔ کشمیری مجاہدین کی جانب سے گوریلا جنگ، چھاپہ مار کاروائی اور دھماکے اب ایک ممکنات میں سے ہیں جو بھارتی افواج کے لئے بھیانک خواب سے اب حقیقت کا روپ دھار چکے ہیں۔ اگر کشمیری مسلمانوں کو عسکری قوت فراہم کی جائے تو بھارت 10 لاکھ فوجی تعینات کرنے کے باوجود بھی ان کی جدوجہد آزادی کو کچلنے سے قاصر رہے گا۔ آج تک، مقبوضہ کشمیری مسلمانوں نے "کشمیر بنے گا پاکستان" سے اپنی امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں اور اب بھی وہ اپنے شہداء کو پاکستانی پرچم میں لپیٹ کر سپردِ خاک کرتے ہیں۔ امریکہ نے افغانستان اور عراق میں ہونے والی مقامی مزاحمت، جسے قابو کرنا مشکل تھا، اس کے باعث بھاری قیمت چکائی ہے۔ جب امریکہ ان علاقوں میں اپنے مکروہ عزائم کو شرمندہ تعبیر کرنے میں ناکام رہا تو بھارت کیونکر کشمیر میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے؟

اگر بھارتی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو وہ کشمیر میں اپنی عسکری قوت بڑھانے میں کوشاں رہے گا۔ البتہ بھارت کے اندرونی حالات پاکستان کے مقابلے میں مستحکم نہیں۔ بھارت اس وقت داخلی سطح پر افراتفری کا شکار ہے۔ جہاں تقریباً 68 تنظیمیں موجود ہیں جنھیں دہشتگرد گردانا جاتا ہے۔ ان تحریکوں کی تعداد اور عزائم پر بحث کی جا سکتی ہے، لیکن ان کے وجود اور ان کے خلاف کی جانے

والی عسکری کاروایوں کے بوجھ کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ تو بھارت اپنی افواج کو ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل تو کرسکتا ہے لیکن بات یہاں عسکری دائرہ کار سے نکل کر سیاسی حقیقت کا روپ دھار لیتی ہے۔ اس صورتحال میں افواج کو ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں منتقل کرنے کی بھارت کو سیاسی قیمت ادا کرنا پڑے گی، چاہے وہ ایک معمولی تنازع کی خاطر ہی کیوں نہ ہو۔ اگر بھارت اپنے اندرونی علاقوں سے جہاں Naxalite کی تحریک زوروں پر ہے، وہاں سے اپنی افواج نکال کر کشمیر میں تعینات کرتا ہے، تو اس صورت میں Naxalite کی تحریک آزادی کو تقویت حاصل ہوگی جو موقع پا کر علیحدگی کا اعلان کرسکتی ہے۔ لہٰذا اب اس فیصلے کی وسیع اثرات ہیں جہاں یا تو علیحدگی پسند تحریکوں سے سیاسی سمجھوتہ کرنا پڑے گا یعنی انھیں سیاسی راستہ دینا پڑے گا جو بھارت کی پوزیشن کو کمزور کرے گا یا پھر افواج کی منتقلی کی عسکری آپشن کو چھوڑنا پڑے گا۔ یعنی یہ بھارت کے داخلی معاملات ہی ہیں جن میں وہ الجھا ہوا ہے۔ 20 کروڑ مسلمان، اس کے علاوہ ہیں جنہیں بی جے پی کی حکومت پہلے ہی دانستاً اجنبی بنا چکی ہے۔

اسی طرح خارجی طور پر بھی بھارت مختلف سرحدی تنازعات میں پھنسا ہوا ہے؛ جن میں چین کے ساتھ اس کا تنازع سرفہرست ہے۔ بھارت-چین سرحدوں پہ ایسے کئی علاقے پائے جاتے ہیں جہاں پچھلی کئی دھائیوں سے چین اور بھارت کی افواج آمنے سامنے ہیں۔ حکمتِ عملی کے تحت یہاں تعینات کردہ افواج کو بھارت کہیں اور منتقل نہیں کر سکتا۔ گلوان وادی میں ہونے والی حالیہ جھڑپیں امریکہ اور چین کے درمیان ہونے والی عالمی رسہ کشی کا ایک تسلسل تھی، اسی وجہ سے بھارتی سرحدوں پہ موجود علاقوں کو ضم کرنا چین کے لئے خصوصی اہمیت رکھتا ہے۔ یعنی چین

صرف سرحدوں تک محدود رہ کر تناؤ میں اضافہ کرنے کی بجائے بھارت کو کمزور کر کے اسے پیچھے دھکیلنا چاہتا ہے۔

اس تنازعے کی اپنی خاص اہمیت ہے۔ 13 جون 2020 کو نیپالی پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر نیپال کا نیا نقشہ جاری کیا، جس میں جنوبی ہمسائے (بھارت) سے تعلق رکھنے والے علاقوں کو نیپال کا حصہ دکھایا گیا۔ بھارت نے اس اقدام کو ناقابل عمل قرار دیا اور کہا کہ ایسا کرنے سے اس سوچ کی نفی ہوئی ہے کہ سرحدی تنازعات کو مذاکرات کے ذریعے حل کیا جانا چاہیے۔ اب یہ ایک دلچسپ صورتحال ہے کہ یہ سب اس وقت ہوا جب چین اور بھارت گلوان وادی میں جھڑپوں میں ملوث تھے۔ یعنی بھارت اور چین کے درمیان عسکری چپقلش نے نیپال کو اپنی بھارت کے ساتھ سرحدوں پر نظرِ ثانی کرنے پہ آمادہ کیا۔ کیا بھارت یہ سوچ سکتا ہے کہ کشمیر میں جنگ کی صورت میں کوئی دوسرا ملک ایسا نہیں کر سکتا؟

اسی طرح سلیگاری پاس بھی ایک اہم متنازع شاہراہ ہے جو بھارت اور شمال مشرقی ریاستوں کے درمیان واقع ہے، جس کو عرف عام میں Chicken's neck کہتے ہیں۔ یہ مرغی کی گردن کی مانند ایک پتلی گزر گاہ ہے، جس طرح مرغی کی گردن دبوچ کر اس کی جان لی جاسکتی ہے اسی طرح اس علاقے کو دبوچ کر بھارت کا ایک بازو توڑا جاسکتا ہے۔ یہ مخصوص خطہ ڈوکلام پہاڑی کے ساتھ ہے۔ 2018 سے بھارت بھوٹان کی حوصلہ افزائی کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ وہ اس متنازعہ ڈوکلام علاقے میں مزید فوجی تعینات کرے۔ اگر چین اس خطے کو قابو کر لے تو سلیگاری پاس کی آمدورفت کو قابو کر کے "Seven sister states" یعنی بھارت کی سات ریاستوں میں موجود

بھارتی افواج کی رسد کو روک کر وہ مقامی گروہوں کی پشت پناہی کر سکتا ہے۔

اس تمام تناؤ میں اگر چین بھوٹان کو حفاظتی و معاشی مدد دینے کے بدلے انتہائی اقدام اٹھائے، ایسے میں کیا بھوٹان بھارت کی طرف داری کرے گا یا دباؤ میں آکر پیچھے ہٹ جائے گا جس کے باعث سلیگاری پاس چینی حملے کی زد میں آسکتا ہے؟

یہ وہ عملی مثالیں ہیں جہاں ایک تیسرے ملک نے اپنے علاقائی منصوبوں کیلئے چین – بھارت تنازعے سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اگر چین اور بھارت کا تنازعہ وسیع تر ہو جائے تو کیا اس کی وجہ سے مزید دیگر ممالک بھی فائدہ اٹھائیں گے؟ سیاسی تناظر میں اس بات کا تعین کرنا بہت مشکل ہے۔ جیسے جاپان اور جنوبی کوریا امریکہ کے ساتھ ہونے کے باوجود چین سے اپنے تعلقات بحال رکھے ہوئے ہیں کیونکہ امریکہ کی تاریخ بمشکل 200 سال پرانی ہے، جبکہ چین پچھلے 4 ہزار سال سے ان کا ہمسایہ رہا ہے۔

وانگ ینگفانگ، جو چین کی طرف سے اسلام آباد میں تعینات کردہ چینی پریس اہلکار ہیں، نے 11 جون 2020 کو ایک ٹویٹ میں انکشاف کیا کہ "بھارت نے خودساختہ طور پر کشمیر کی حیثیت کو تبدیل کرنے اور خطے میں مسلسل تناؤ بڑھانے سے چین اور پاکستان کی خودمختاری کو چیلنج کیا ہے اور بھارت کا یہ قدم پاک-بھارت اور چین-بھارت تعلقات میں کشیدگی کا باعث بنے گا" اور 4 دن بعد ہی انھوں نے اپنا یہ ٹویٹ واپس کر لیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چین پاکستان کو مسئلہ کشمیر پر اکسا رہا ہے تاکہ موجودہ صورتحال سے فائدہ اٹھا سکے۔ بالکل ویسے ہی جیسے ایبٹ آباد حملے کے بعد چین کی طرف سے بیان جاری کیا گیا تھا کہ پاکستان پر حملہ چینی سرزمین پہ حملہ تصور کیا جائے گا۔

چین پاکستان کو امریکہ اور بھارت کے مقابل ایک ممکنہ متوازن طاقت کے طور پر دیکھتا ہے۔ لہٰذا اس ٹویٹ کے ذریعے چین کیا تجویز کر رہا ہے؟ 1962 کی جنگ کے دوران بھی، چینی سفیر نے جنرل ایوب خان سے ملاقات کر کے پوچھا کہ وہ صورتحال سے فائدہ اٹھا کر کشمیر کیوں حاصل نہیں کر لیتے۔ اس کے ممکنات دلچسپ اور زور آور ہیں۔

سیاسی تجزیے کا حقیقی فائدہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد پر وہ پالیسیاں ترتیب دی جائیں جو بیرونی دشمن کا مقابلہ کرنے میں سود مند ہوں۔ اس تمام سیاسی منظر کے پیشِ نظر، اگر پاکستان کشمیر میں جنگ کا اعلان کرتا ہے تو بھارت کو جوابی اقدامات میں مندرجہ بالا تمام صورتحال کو مد نظر رکھنا پڑے گا یعنی بھارت ان سب مسائل میں گھرے ہونے کے باوجود بھی مزید اس چیلنج سے کیسے نمٹے گا؟ چین اور بھارت کا تنازع محض سرحد تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ امریکہ کی بھارت کے ساتھ ساز باز ہے، جو پورے خطے کو چین کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ممکنہ طور پر چین اور بھارت کی محدود جھڑپوں کے دوران اگر پاکستان کشمیر میں داخل ہوتا ہے تو یہ بھارت کے لئے تباہ کن ثابت ہو گا۔ چین نے 1962 میں بھی بھارت سے جنگ کا آغاز امریکہ اور کیوبا کے درمیان ہونے والے میزائل تنازعات کے دوران کیا تھا۔ اس وقت کی جاری کردہ دستاویزات کے مطابق امریکہ اور بھارت پاکستان کے جنگ میں ملوث ہونے کے خطرے کے باعث کسی قدر ڈرے ہوئے تھے۔ اس وقت کے بھارت میں تعینات امریکی سفیر نے ایک بیان میں اقرار کیا کہ، "چین اور پاکستان کے مشترکہ حملے کے پیشِ نظر بھارت کی شکست، انتشار اور ٹوٹ جانا، یہ سب ممکنات میرے ذہن پر سوار تھے"۔ آج چین پہلے سے زیادہ مضبوط اور امریکہ پہلے کے مقابلے میں نہ صرف کمزور بلکہ

مزید الجھا ہوا بھی ہے۔

اس تمام تجزیے سے جو سوال ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ، جنگ کی صورت میں بھارت کی کیا پالیسی ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ بھارت کی کوئی پالیسی نہیں سوائے وہ جس کی امریکہ نشاندہی کرے۔ اور امریکہ ایک عملی پالیسی دینے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ یہ ٹرمپ کے لئے الیکشن کا سال ہے، اور اسے سنگین مسائل کا سامنا ہے۔ معیشت، جسے امریکہ میں خصوصی اہمیت دی جاتی ہے، بری طرح متاثر ہے۔ اور ٹرمپ سیاہ فام تحریک کے متحرک ہونے کے باعث پھر سے قومی سلامتی کا نام لیکر اوچھے ہتھکنڈوں پہ اتر آیا ہے۔ لہٰذا وہی گھسے پٹے سیاسی اور سفارتی مدد کے وعدوں کے سوا امریکہ مزید کیا کر سکتا ہے؟ جب روس نے کریمیا کو ضم کیا، تو امریکہ نے محض کھڑے ہو کر دیکھنے، اور کچھ پابندیوں کے اطلاق کے سوا کچھ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ علاقہ امریکہ کے لئے اہمیت کا حامل نہ تھا۔ تو کشمیر اور چین کے ساتھ موجود کشیدگی میں امریکہ کو کسی قسم کی دلچسپی ہو سکتی ہے؟ جب امریکہ میں سیاہ فاموں کی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں تو کیا ہزاروں میل دور گندمی رنگت کے حامل افراد کی زندگی ان کے لئے کسی طور پر اہمیت کی حامل ہو گی؟

حقائق اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ جنگ چھیڑ دینا حقیقت میں ممکن ہے، اور ہماری خائن عسکری و سیاسی قیادت اس پر آمادہ نہیں۔ اوپر کی جانے والی باتوں کا مخاطب وہ لوگ ہیں جو اسلام کو بطورِ حل تسلیم کرتے ہیں، اور اسلامی مقاصد کے حصول کے لئے اپنی جان بھی قربان کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جبکہ موجودہ قیادت سوچنے سمجھنے سے اتنی قاصر ہے، چاہے اسلامی یا کسی بھی اور بنیاد پر، کہ وہ ایک محدود جنگ تک کے بارے میں بھی نہیں سوچتے۔ آج کشمیر پر صرف ایک

محدود نوعیت کی جنگ بھی، حتیٰ کہ اگر قومیت کے تنگ نظر پہلو سے بھی دیکھا جائے تو بھی، موجودہ حکومت کیلئے کئی مسائل کو حل کر سکتی ہے۔ سب سے پہلے، اس سے افواج کے عزائم کو بلند کرنے میں مدد فراہم ہو گی۔ دوئم، موجودہ سیاسی خلاء بھی اسکے ذریعے پُر ہو گا کہ جو کوئی بھی کشمیر میں جنگ کے خلاف ہو گا، غدار قرار دیا جائے گا۔ سوئم، یہ معیشت کا پہیہ چلانے میں کار گر ثابت ہو گا کیونکہ یہ بات اچھی طرح جانی جاتی ہے کہ اقتصادی تنزلی کا بہترین حل جنگ ہے۔ لیکن موجودہ حکمران آزادانہ رائے قائم کرنے اور ایسی سوچ پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی پالیسی وہی ہے جو انہیں اپنے بیرونی آقاؤں سے موصول ہوتی ہے، جو وہ ذاتی مفاد کی خاطر من و عن نافذ کرتے ہیں۔ انہوں نے جنگ کو نہ صرف خود پر بلکہ کشمیری مجاہدین کے لئے بھی ممنوع قرار دے دیا ہے۔ استعمار کے حکم کے مطابق جو بھی کشمیر میں جہاد کا علم بلند کریگا، اسے یہ دہشتگرد قرار دے کر الٹا اسے ہی گرفتار کر لیتے ہیں اور یوں یہ ہندو ریاست کے تحفظ کو مزید تقویت پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔

کشمیر کا واحد حل جہاد ہے، اور یہ خائن قیادت اسے قائم کرنے کے متحمل نہیں ہو سکتی جو اپنے مسائل کا حل ان کفریہ افکار سے لیتی ہے جو ان مسائل کی وجہ ہیں۔ یہ صرف نبوت کے نقشِ قدم پر قائم ہونے والی خلافت ہی ہو گی جو اسلام کے نفاذ کے ساتھ مخلص ہو گی اور جسے امت کو درپیش مسائل کی فکر ہو گی، جو نہ صرف کشمیر کو آزاد کرائے گی بلکہ تمام مسلمانوں کو اس کفریہ نظام سے نجات دلائے گی۔

ختم شد

پارلیمانی جمہوریت کی طرح امریکی طرز کا صدارتی نظام پاکستان کے مسائل کو حل نہیں کرے گا

تحریر: شاہ رخ ہمدانی

پاکستان کے سیاسی میڈیم میں اکثر و بیشتر اسلامی صدارتی نظام کے ضرورت کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ بظاہراً اسے اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ صدارتی نظام پاکستان کی حکمرانی کے دیرینہ مسئلوں کو حل کر سکتا ہے۔ پاکستان میں کچھ اسلام پسند لوگ بھی صدارتی نظام کے دلدادہ ہیں اور وہ اسے اسلام کے "قریب تر" تصور کرتے ہیں۔ دنیا میں صدارتی نظام کی نمایاں مثال امریکہ کی ہے۔اور صدارتی نظام کے داعیوں کے نزدیک امریکی صدارتی نظام ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ اگر اسلامی ممالک کو دیکھا جائے تو صدارتی نظام اس وقت ترکی میں رائج ہے جہاں وزیر اعظم اردوگان نے قانونی طور پر اپنی وزارت کی معینہ مدّت کو ختم ہوتے دیکھ کر پہلے اپنے آپ کو صدر منتخب کروایا، اور پھر ایک کوشش کے بعد 2018 کے الیکشن میں آئینی اکثریت حاصل کر کہ ترکی کے پارلیمانی نظام کو ہی صدارتی نظام میں تبدیل کر دیا، اور پھر اس میں ایک وسیع تر اختیارات کا صدر بن بیٹھا۔

اس وقت جبکہ امریکہ میں الیکشن نزدیک ہیں ہم اس مضمون کے ذریعے امریکہ کے صدارتی نظام کو سمجھنے اور پارلیمانی نظام سے اس کے فرق کو جاننے کی کوشش کریں گے۔ اگر آج تمام ممالک کا ایک طائرانہ موازنہ کیا جائے، تو ان میں سے امریکہ معیشت کے حجم، عسکری طاقت کے پھیلاؤ،

ذرائع ابلاغ کے اثر و رسوخ اور سائنسی ارتقاء کی شرح نمو کے لحاظ سے سرفہرست ہے۔ اس کی معیشت، دنیا کی سب سے بڑی معیشت ہے، اس کی عسکری قوت، دنیا کے سب سے تباہ کن ہتھیاروں پر مشتمل ہے، اس کے ذرائع ابلاغ، دنیا کے سیاسی مکالمے کا ایجنڈا سیٹ کرتے ہیں، اور اس کی سائنسی جدت آج بھی دنیا کی صف اول میں شمار ہوتی ہے۔ مشرق اور مغرب، اس کے دوسری جنگ عظیم کے بعد دیے گئے اصولوں پر مبنی نظام کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔

امریکا کا ایک نومولود ریاست سے دنیا کی واحد سپر پاور بننے کا سفر تقریبا" دو صدیوں پر مشتمل ہے۔ اس کے چیکس اور بیلنسز پر مشتمل صدارتی نظام میں اختیارات کی علیحدگی کو یقینی بنایا گیا ہے۔ امریکی انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ اپنے اپنے دائروں میں با اختیار ہیں، اور اداروں کے مضبوط ہونے کی وجہ سے اپنے لئے طے کیے ہوئے اختیارات میں رہنے کو پسند، اور ایک دوسرے کے حریف بننے کو عمومی طور پر ناپسند کرتے ہیں۔ ادارے باہمی تنازعات کی صورت میں آئین میں مجوزہ قانون کی طرف رجوع کرنے کو مقدّس جانتے ہیں۔

امریکی انتظامیہ صدر، نائب صدر اور صدر کے کل 15 سیکرٹریوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ امریکی صدر ان 15 سیکرٹریوں کے ذریعے پوری دنیا کے معاملات کو چلاتا ہے ان تمام عہدیداروں میں سے امریکی صدر اور نائب صدر کے علاوہ کوئی بھی الیکشن کے عمل سے گزر کر نہیں آتا۔ امریکی صدر مہینوں پر محیط ایک لمبی الیکشن مہم کے بعد منتخب ہوتا ہے۔ اس الیکشن مہم میں امریکی صدر بننے کے امیدواروں کا بے پناہ پیسہ خرچ ہوتا ہے، چاہے یہ ان کا ذاتی پیسا ہو، یا پھر بڑی کارپوریشنوں اور رضاکاروں کے چندوں کی صورت میں اکٹھا کیا گیا ہو۔ روایتی طور پر پہلے امریکا کی دونوں سیاسی پارٹیاں ڈیموکرٹس، جن کا نشان گدھا ہے، اور ریپبلکنز جن کا نشان ہاتھی ہے، اپنے

میں سے ایک صدارتی امیدوار چنتی ہیں، اور پھر یہ دونوں صدارتی امیدوار قومی الیکشن میں آپس میں گتھم گتھا ہوتے ہیں۔ اگر کوئی آزاد امیدوار ہو تو وہ بھی ان دونوں سے مقابلہ کرنے آسکتا ہے۔ لیکن کسی پارٹی کی پشت پناہی نہ ہونے کی وجہ سے آزاد امیدوار کا جیتنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ صرف 1789 میں جارج واشنگٹن، جو کہ امریکا کے بانیوں میں سے تھا، آزاد حیثیت میں امریکا کا صدر بن سکا تھا۔ اس کے بعد کوئی بھی صدارتی امیدوار کسی پارٹی کی پشت پناہی کے بغیر امریکی صدر نہیں بن سکا۔ آج کل اگرچہ امریکی صدارتی مہم کے زور و شور میں کورونا وائرس کی آمد کی وجہ سے نسبتاً کمی آئی ہے، لیکن یہ وائرس کے معاملے کے کمزور ہوتے ہی دوبارہ زور پکڑ جائے گا۔ ڈیموکرٹس کی طرف سے جو بائیڈن اور ریپبلکنز کی طرف سے ٹرمپ امریکی صدر بننے کی دوڑ میں آمنے سامنے ہیں۔ جب اپنی اپنی پارٹیوں کے کنونشن میں ان دونوں کو حتمی امیدوار بنا دیا جائے گا، جو کہ اب صرف ایک formality رہ گئی ہے، تو تب یہ دونوں اپنے ساتھ نائب صدر کے امیدوار بھی نامزد کر دیں گے۔ پھر وہ دونوں اپنی پارٹی کی طرف سے پورے ملک میں الیکشن مہم کا آغاز کریں گے۔ اگرچہ ٹرمپ نے یہ پہلے سے ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ 2020 کی الیکشن مہم کے لئے موجودہ نائب صدر مائک پینس کو ہی نائب صدر کے امیدوار کے طور پر نامزد کرے گا۔

یہاں یہ تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ اگرچہ امریکی صدر وسیع اختیارات کا حامل ہوتا ہے، لیکن اس کی الیکشن مہم کا امریکی مقننہ، یعنی کانگریس کی کسی بھی الیکشن مہم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ امریکی صدر کے پاس قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، کیونکہ صدر کا عہدہ خالصتاً ایک ایگزیکٹو پوسٹ ہے۔ یعنی اس کا کام صرف اور صرف ان قوانین پر عمل درآمد کرنا ہوتا ہے، جو کہ کانگریس کی طرف سے بن کر آتے ہیں. ان قوانین کی حدود میں وہ مکمّل طور پر خود مختار ہوتا ہے۔ اپنی کابینہ

کے سیکرٹریز چننے میں اسے کسی دباؤ میں آنے کی ضرورت نہیں پڑتی. بلکہ وہ چاہے تو کسی بھی ایرے غیرے کو چھ مہینے کے لیے اپنی کابینہ کے رکن کے طور پر نامزد کر سکتا ہے اور اگر اس سیکرٹری کو امریکی سینیٹ سے منظوری مل جائے، تو یہ عارضی نامزدگی مستقل تقرّری کی حیثیت حاصل کر لیتی ہے، اور اگر صدر چاہے، تو وہ کسی سے پوچھے یا مشورہ کیے بغیر کابینہ کے کسی بھی رکن کو اپنی مرضی سے ہٹا سکتا ہے۔

اس معاملے میں صدارتی نظام پارلیمانی نظام سے یکسر مختلف ہے، کہ پورے ملک کے ہر انتخابی حلقے میں الیکشن لڑنے کی بنا پر صدر کو پورے ملک کی قیادت کرنے کا ذاتی مینڈیٹ ملتا ہے، جبکہ اس کے برعکس پارلیمانی نظام میں وزارت عظمیٰ کا امیدوار صرف اپنے انتخابی حلقے کی نمائندگی کرنے کا براہِ راست ذاتی مینڈیٹ لیتا ہے، اور اگر اس کی پارٹی پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرلے یا اتحاد بنا لے، تو تب وہ حکومت بنانے کے لئے کابینہ تشکیل دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اگر پارلیمانی نظام کے الیکشن میں ووٹوں کے ذریعے یا پھر الحاق کر کے واضح اکثریت حاصل نہ کی جا سکے، تو پھر حکومت ہی نہیں بن پاتی۔ جیسے کہ اسرائیل میں پچھلے سال تین بار الیکشن ہو چکے ہیں، اور واضح اکثریت نہ ملنے کی وجہ سے بنجمن نیتن یاہو کو اب تیسری بار اپنے ہی سیاسی حریف بنی گینٹس کے ساتھ حکومت بنانی پڑی ہے، جس میں پہلے دو سال نیتن یاہو اور اگلے دو سال گینٹس وزیر اعظم ہو گا. پارلیمانی نظام میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر اس میں حکومت بن بھی جائے، تو وہ اکثر و بیشتر اتحادیوں کی مرہون منّت ہوتی ہے. اور وزیر اعظم کو کسی بھی وقت تحریک عدم اعتماد کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس کے برعکس صدارتی نظام میں صدر ایسے کسی بھی دباؤ سے محفوظ ہوتا ہے، اور اپنے دائرے میں مکمّل طور پر با اختیار ہوتا ہے۔

صدارتی نظام کے کچھ حامی یہ بھی دعوی کرتے ہیں کہ یہ پارلیمانی نظام کے مقابلے میں ابھرتی ہوئی صورتحالوں سے زیادہ تیزی سے نمٹ سکتا ہے۔ ایک وزیر اعظم کو کوئی بھی اہم قدم اٹھانے یا پالیسی اپنانے کے لئے مقننہ کی حمایت بر قرار رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔اور اس کے مقابلے میں ایک صدر کے راستے میں ایسی کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی.

دوسری طرف صدارتی نظام کے ناقدین ایک مختلف نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اگر صدارت اور مقننہ کا اقتدار مختلف پارٹیوں کے زیر کنٹرول ہو جائے، تو یہ قانون اور فیصلہ سازی کو سست کر سکتا ہے۔

امریکی صدر کے سیکرٹریز اپنے اپنے اداروں کے بے تاج بادشاہ ہوتے ہیں۔ جیسے کہ امریکی بحری، بری، فضائی اور میرین افواج امریکی ڈیفنس سیکرٹری کے مکمّل تابع ہوتی ہیں۔امریکی صدر کے کہنے پر ڈیفنس سیکرٹری امریکی افواج کو دنیا میں کسی بھی جگہ بحری، بری، فضائی اور میرین افواج کے ذریعے آپریشنز کا آغاز یا اختتام کرنے کا حکم دیتا ہے. اسی طرح سیکرٹری آف سٹیٹ دنیا میں امریکی تعلقات، اتحادات اور تنازعات کی سفارتی سطح پر نگرانی کرتا ہے، جبکہ ٹریژری سیکرٹری ڈالر کے عالمی ریزیرو کرنسی کے سٹیٹس کو بر قرار رکھتا ہے۔ اگر دنیا کے کسی ملک کے خلاف پابندیاں بھی لگنی ہوں، تو وہ ٹریژری سیکرٹری کے ذریعے منظور ہوتی ہیں۔

پارلیمانی نظام میں اگرچہ بادشاہ کے اختیارات محدود کر کے انھیں مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ میں تقسیم کر کے، اختیارات کی علیحدگی کی کچھ نہ کچھ حد تک کوشش ضرور کی گئی تھی، لیکن صدارتی نظام میں انتظامیہ اور مقننہ کے الیکشن اور اختیارات ہی علیحدہ کر کے اس اختیارات کی علیحدگی کے تصوّر کو مزید آگے لے جایا گیا ہے۔

پاکستان کے عوام چونکہ زیادہ تر ایک پارلیمنٹری جمہوریت کے زیر تسلّط رہے ہیں، اس لئے ہمیں امریکی صدر اور کانگریس کا تعلق مختلف نوعیت کا محسوس ہو گا۔ اگرچہ امریکی صدر کا قانون سازی میں کوئی کردار نہیں ہوتا، لیکن وہ قانون سازی کے عمل کو ایک حد تک ویٹو ضرور کر سکتا ہے. یعنی اگر صدر راضی نہیں ہے، تو پھر کانگریس میں قانون سازی کے لئے قانون سازوں کی ایک بہت بڑی اکثریت ہی اس ویٹو کو اوور رائیڈ کر سکتی ہے۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ امریکی صدر ریاست کا حاکم کل نہیں ہوتا، بلکہ اسے اپنے بہت سے معاملات چلانے کے لئے امریکی کانگریس پر انحصار کرنا پڑتا ہے. کانگریس دو ایوانوں پر مشتمل ہے. ایوان زیریں کو ایوان نمائندگان House of Representativesاور ایوان بالا کو سینیٹ کے نام سے جانا جاتا ہے. امریکی آئین کے تحت قانون سازی کے معاملات ان دونوں میں بانٹے گئے ہیں.

ایوان زیریں یعنی ایوانِ نمائندگان سینیٹ کے مقابلے میں عام لوگوں کے زیادہ قریب ہوتا ہے، اور اسے اس طرح تشکیل دیا گیا ہے کہ یہ لوگوں کی ضروریات کا تیزی سے جواب دے سکے۔ نمائندوں کے پاس صرف دو سال کی مدت ہوتی ہے، اور محصولات سے متعلق تمام قوانین کا آغاز بھی صرف اسی ایوان سے کیا جا سکتا ہے۔ امریکہ چونکہ خود 50 ریاستوں کے اتحاد سے مل کہ بنا ہے، اس لئے ہاؤس میں ہر ریاست سے اس کی آبادی کے تناسب سے سیٹیں ہیں۔ کم آبادی والی ریاستیں جیسے کہ الاسکا، ڈیلاویئر، مونٹانا، نارتھ ڈکوٹا، ساؤتھ ڈکوٹا، ورمونٹ اور وائومنگ کی ہاؤس میں صرف ایک ایک سیٹ ہی ہے، جبکہ امریکہ کی زیادہ آبادی والی ریاست ٹیکساس کی 36، جبکہ امریکہ کی سب سے زیادہ آبادی رکھنے والی ریاست کیلی فورنیا کی ہاؤس میں 53 سیٹیں ہیں۔

ایوان بالا یعنی سینیٹ میں منتخب نمائندوں، یعنی سینیٹرز کے عہدے کی مدت چھ سال ہوتی ہے، اور یہ مدّت ہاؤس کے مقابلے میں تین گنا ہونے کا مقصد یہ ہے کہ سینیٹ میں ہاؤس کی تیزی کے رجحان کے مقابلے میں نسبتاً ایک ٹھہراؤ آئے، اور ہاؤس کے برعکس سینیٹ میں قوانین کے طویل مدتی اثرات پر غور کیا جاسکے۔ سینیٹ میں کل سو ووٹنگ ممبر ہیں، یعنی ہر ریاست کے لئے دو۔ ٹیکسوں میں اضافے کے لئے کوئی بھی تجویز صرف ہاؤس سے لائی جاسکتی ہے، جس کا سینیٹ کا جائزہ لیتی ہے اور منظوری دیتی ہے۔ جبکہ دوسری طرف صرف سینیٹ کے پاس غیر ملکی معاہدوں اور امریکی صدر کی کابینہ اور عدالتی نامزدگیوں پر منظوری دینے کا اختیار ہے، جس میں سپریم کورٹ کی تقرریاں بھی شامل ہیں۔ یعنی صدر کے پاس اپنی کابینہ اور وفاقی ججوں کی نامزدگی کا اختیار ہوتا ہے، جبکہ سینیٹ کے پاس ان کی منظوری کا۔

جب بات امریکی صدر کے مواخذے پر آتی ہے، جیسے کہ 1868 میں اینڈریو جانسن، 1998 میں بل کلنٹن اور پچھلے سال 2019 میں صدر ٹرمپ کا معاملہ ہوا، تو اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ ہاؤس یعنی ایوان زیریں یہ طے کرتا ہے کہ آیا صدر کے خلاف الزامات عائد بھی کیے جاسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر ہاؤس کی سادہ اکثریت ان کے حق میں ووٹ دے دے تو تب امریکی صدر کے مواخذے کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ ہاؤس کا کام صرف مواخذے کی منظوری دینا ہوتا ہے، جبکہ مواخذے کا پورا عمل، اس کی تفتیشی / عدالتی کاروائی سب سینیٹ میں انجام پاتے ہیں۔ سینیٹ کا ادارہ دراصل اس بات کا تعین کرتا ہے کہ آیا الزامات کی بناپر امریکی صدر کو اسکے عہدے سے ہٹایا جاسکتا ہے یا نہیں۔ تاہم، یہ صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اگر اس مواخذے کے عمل کے

نتیجے میں سینیٹ میں ووٹوں کی "نمایاں اکثریت" صدر کو ہٹانے کے حق میں ہو جائے، جسے 100 ووٹوں میں سے 67 ووٹوں کی صورت میں لیا جاتا ہے۔

تقریباً دو صدیوں سے کچھ پہلے، 1787 کے موسم گرما میں امریکی سیاست دان، جن کو آج فاونڈنگ فادرز کے نام سے جانا جاتا ہے، نئی معرض وجود میں آنے والی ریاست کے آئین کی تشکیل کے لئے فلاڈلفیا کے شہر میں اکٹھے ہوے. امریکی سینیٹ کی ویب سائٹ پر ان کے بحث و مباحثے کی کہانی لکھی ہوئی ہے. فلاڈیلفیا میں آئینی کنونشن کے مندوبین نے سینیٹ میں مساوی نمائندگی اور ایوان نمائندگان میں متناسب نمائندگی قائم کی، اور اس کو "عظیم سمجھوتہ" یا "کنیکٹیکٹ سمجھوتہ" کا نام دیا گیا. کانگریس کی نمائندگی کے اس منصوبے کے ذریعے آئین کے مسودے کے متنازعہ ترین پہلو کو حل کیا گیا، کیونکہ اس سے پہلے بڑی آبادی والی ریاستوں کے مندوبین کا استدلال تھا کہ سینیٹ میں ہر ریاست کی نمائندگی ریاست کے سائز کے مطابق ہونی چاہیئے۔ جبکہ چھوٹی ریاستوں کے مندوبین نے اس امر کا تقاضا کیا کہ کنفیڈریٹ نظام کے تحت ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ اس کے پیچھے اکثریت کی حکمرانی کا خوف کارفرما تھا، اور یہی وجہ تھی کہ چھوٹی ریاستوں نے کانگریس میں مساوی نمائندگی کا مطالبہ کر دیا تھا. جبکہ کچھ مندوبین کی خواہش یہ تھی کہ بڑی اور چھوٹی ریاستوں کے مفادات کے مابین سمجھوتہ ہو جائے۔16 جولائی 1787 کو مندوبین نے ایک مخلوط نمائندگی کا منصوبہ پیش کیا جس میں سینیٹ میں ریاستوں کو مساوی ووٹ دیئے گئے اور ہاؤس میں ایک ریاست کو اس کی آبادی کے تناسب سے۔ اسی طرح سینیٹ کی چھ سالہ مدت بھی ان آئین سازوں کے مابین ایک سمجھوتہ تھی، وہ جو ایک مضبوط اور آزاد سینیٹ کے خواہاں تھے اور وہ جن کو اس چیز کا خدشا تھا کہ ایوان بالا اتنا طاقتور اور عوام سے فاصلے پر نہ ہو جائے،

کہ عوام اس کے ممکنہ ظلم و ستم کا شکار ہونے لگیں۔ عمومی طور پر، ہاؤس عام آبادی کی نمائندگی کرتا ہے، جبکہ سینیٹ بڑی ملکیت والوں کی۔

امریکی سینیٹ کا پریذائڈنگ آفیسر سینیٹ میں نظم و ضبط برقرار رکھنے، ممبروں کو بولنے کا موقع دینے، سینیٹ کے قواعد، طریقوں اور نظیروں کی ترجمانی کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ سینیٹ کا پریذائیڈنگ آفیسر ہونا صرف ایک ذمہ داری تصوّر ہوتی ہے، کوئی عہدہ یا دفتر نہیں۔ ان تین میں سے کوئی بھی ایک عہدیدار پریذائیڈنگ آفیسر کی ذمہ داری انجام دے سکتا ہے۔ امریکی آئین میں نائب صدر کو سینٹ کی صدارت کرنے کی ذمہ داری تفویض کی گئی ہے، اور کسی قانون سازی کے بل میں دونوں اطراف کے ووٹ برابر ہونے کی صورت میں نائب صدر کا ووٹ فیصلہ کن ہوتا ہے۔ یہ ذمہ داری صرف نائب صدر کے لئے مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ کوئی بھی ایک منتخب سینیٹر یا چند مخصوص حالات میں امریکہ کے چیف جسٹس کو یہ ذمہ داری تفویض کی جا سکتی ہے۔ جیسے کہ حال ہی میں صدر ٹرمپ کے سینیٹ میں مواخذے میں عدالت عظمٰی کے چیف جسٹس جان روبرٹس نے اس پوری کاروائی کی صدارت کی۔ اس کے برعکس ہاؤس کے سپیکر کا باقاعدہ آئینی عہدہ ہوتا ہے، اور موجودہ سپیکر نینسی پلوسی کے ٹرمپ کے ساتھ ہونے والے حالیہ تنازعات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں. وفاقی حکومت میں جانشینی کی ترتیب میں صدر کے بعد نائب صدر اور اس کے بعد ایوان کا اسپیکر ہوتا ہے .

کانگریس کسی بھی شہری کو اپنے سامنے پیش ہونے کا حکم صادر کر سکتی ہے۔ کانگریس کے اس حکم کی عدم تعمیل کے نتیجے میں ایک سال قید کی سزا ہو سکتی ہے۔ اگرچہ اس کیس کی سماعت عدالتی فورم

میں ہی کی جاتی ہے، لیکن عدالت "کانگریس کی توہین" کے مرتکب افراد کو کافی سختی سے نمٹتی ہے۔

کانگریس کا زیادہ تر کام اس کی کمیٹیوں میں انجام پذیر ہوتا ہے۔ ہاؤس اور سینیٹ دونوں میں قائمہ، خصوصی، کانفرنس اور مشترکہ کمیٹیاں شامل ہیں۔ قائمہ کمیٹیں مستقل نوعیت کی ہوتی ہیں. کانگریس میں طویل دورانیے سے موجود اراکین انہی کمیٹیوں کے ذریعے اپنے اقتدار و اختیار کو تحفّظ فراہم کرتے ہیں۔ ہاؤس کی کلیدی کمیٹیوں میں بجٹ کمیٹی، محصولات اور ذرائع کی کمیٹی اور آرمڈ سروسز کمیٹی شامل ہیں، جبکہ سینیٹ میں تصرفات، خارجہ تعلقات اور عدلیہ کی کمیٹیاں شامل ہیں۔ کچھ کمیٹیاں دونوں ایوانوں میں موجود ہیں، جیسے بجٹ، آرمڈ سروسز اور سابق فوجیوں کے امور کی کمیٹی۔ خصوصی کمیٹیاں عارضی ہوتی ہیں، جو کسی مخصوص معاملے کی تفتیش، تجزیہ یا تعین کرنے کے لئے تشکیل دی جاتی ہیں۔ ہاؤس اور سینیٹ دونوں میں جب قانون سازی منظور کر لی جاتی ہے، تو ٹیب کانفرنس کمیٹیاں تشکیل دی جاتی ہیں۔ ان کا کام قانون سازی میں استعمال ہونے والی زبان کو حتمی شکل دینے کا ہوتا ہیں۔ مشترکہ کمیٹیوں میں ہاؤس اور سینیٹ دونوں کے ممبران شامل ہوتے ہیں۔ ہاؤس میں سینیٹ کے مقابلے میں قوانین بحث بدرجہ سخت ہیں. ہاؤس میں بحث مباحثے کا وقت محدود ہوتا ہے اور موضوعات پہلے سے طے شدہ ہوتے ہیں کہ جن میں بحث و مباحثہ ایجنڈا تک محدود ہوتا ہے۔ سینیٹ میں "filibuster" نامی حکمت عملی کی اجازت ہے۔ ایک بار جب کسی سینیٹر کو بولنے کا موقع فراہم کر دیا جاتا ہے، تو وہ کسی بھی موضوع پر جب تک چاہے، اور جتنی چاہے، بات کر سکتا ہے۔ اس دوران سینیٹ میں قانون سازی کی کوئی اور کاروائی نہیں کی جاسکتی. یہ فلی بسٹر ممکنہ قانون سازی کو روکنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جب تک کہ بولنے والے کو اپنی

حمایت میں ووٹ ملنے کی امید نہ مل جائے۔ اس فلی بسٹر کی اجازت کی وجہ سے امریکی قانون سازی کی تاریخ میں کئی بار بہت ہی مضحکہ خیز صورت حالیں دیکھنے کو ملی ہیں. مثلاً ایک ایکٹ پر 2013 میں کاروائی کے دوران سینیٹر ٹیڈ کروز بغیر کوئی بریک لئے 21 گھنٹے تک تقریر کرتا رہا، جس میں ایک موقع پر ایک بچوں کی کتاب Green Eggs and Ham پڑھنا بھی شامل ہے۔

ایک تکنیکی نقطہ جس کی وضاحت ضروری ہے، وہ یہ کہ امریکہ آئینی طور پے اپنے آپ کو ایک ریپبلک گردانتا ہے، ڈیموکریسی یعنی جمہوریت نہیں. اگرچہ اب یہ بات عام ہوگئی ہے کہ امریکی سیاستدانوں سمیت اکثر لوگ امریکی نظام حکومت کا حوالہ ایک جمہوریہ کے طور پر دیتے ہیں مگر یہ تکنیکی لحاظ سے صحیح نہیں۔ ایک خالص جمہوریت میں کوئی بھی قانون اکثریت کی مرضی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے، جبکہ ایک ریپبلک کے آئین کے بنیادی ڈھانچے میں شامل کچھ چیک اور بیلنس ایسے رکھے جاتے ہیں کہ جن میں ترمیم یا تو بالکل بھی نہیں ہو سکتی، یا پھر ایسا کرنا تقریباً ناممکن بنا دیا جاتا ہے۔ جیسے کہ امریکی 'بل آف رائٹس، جسے امریکی آئین کا بنیادی ڈھانچہ گردانہ جاتا ہے، اور جس میں صرف دو طریقوں میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔ یا تو ریاستوں کی طرف سے ایک آئینی کنونشن کے ذریعہ، جو کہ امریکہ کا آئین لکھے جانے کے بعد کبھی استعمال نہیں ہوئی، یا پھر کانگریس کے دونوں ایوانوں میں دو تہائی کی اکثریت سے ترمیم پاس کر کہ، اور ان دونوں ہی معاملات میں ترمیم کی توثیق تبھی ہو پائے گی، کہ اگر امریکہ کی تین چوتھائی ریاستیں اسے منظور کر لیں. امریکہ کے بانیوں کی طرف سے آئیں کی ترمیم میں اتنے چیکس اور بیلنس متعارف کروانے کا مقصد اس وجہ سے بھی تھا کہ وہ خالص جمہوریت کو ناپسند کرتے تھے اور اسے ایک "mob rule" یعنی "ہجوم کی حکمرانی" یا پھر ایک مخصوص جملے "tyranny of the majority" یعنی "اکثریت

کے ظلم" سے منسوب کرتے تھے.

امریکی سپریم کورٹ امریکہ کے چیف جسٹس اور اس کے آٹھ ساتھی ججوں پر مشتمل ہے۔ ہر جج کی مدّت ملازمت تاحیات ہوتی ہے، یعنی جب تک وہ مستعفی یا ریٹائر نہ ہو جائے، یا مر نہ جائے، یا عہدے سے ہٹا نہ دیا جائے، تب تک وہ عدالت میں موجود رہے گا یا رہے گی۔ استدلال کیے گئے مقدمات پر فیصلہ کرنے میں ہر جج کا ایک ہی ووٹ ہوتا ہے۔ ججز کی اکثریت کے بل بوتے پر کسی بھی کیس کا فیصلہ ہوتا ہے، اور ججز کی اکثریت کا آزاد خیال یا قدامت پسند ہونے کا فیصلوں کی نوعیت پر گہرا اثر ہوتا ہے. جیسے کہ 1973 میں Roe vs Wade کے کیس میں آزاد خیال ججز کی اکثریت کے فیصلے نے پورے امریکہ میں خواتین کے لئے اسقاطِ حمل کروانا بہت آسان کر دیا. سپریم کورٹ سوموٹو نہیں لے سکتی، بلکہ اسے کیسز کو سننے کے لئے چند سال انتظار کرنا پڑتا ہے کہ کوئی کیس لوئر کورٹ اور اپیلز کورٹس سے ہوتا ہوا اس تک پہنچے . سپریم کورٹ کے فیصلوں کا امریکا کے کلچر پر بے پناہ اثر ہے. Brown vs Board of Education کے فیصلے کے نتیجے میں گورے اور کالے طالب علموں کی اسکولوں کی علیحدگی ختم کر دی گئی، اور Pentagon Papers کے فیصلے کے نتیجے میں نے یارک ٹائمز سمیت دیگر اخبارات کو یہ اختیار مل گیا کہ وہ امریکی افواج کے ویت نام میں رول پر کھل کر لکھ سکتے ہیں۔

اگرچہ امریکی افواج دراصل امریکی انتظامیہ کا ہی ایک حصّہ تصور ہوتی ہیں، لیکن ان کے دنیا میں امریکی طاقت کے پھیلاؤ اور استحکام میں کلیدی کردار ہونے کی بنا پر ان کا علیحدہ سے تذکرہ کرنا مناسب ہے. امریکہ کی فوجی قوتوں میں آرمی، میرین کور، نیوی، ایئر فورس، نئی قائم شدہ اسپیس فورس اور کوسٹ گارڈ شامل ہیں۔ امریکہ کا صدر مسلح افواج کا کمانڈر انچیف ہے اور محکمہ دفاع

اور محکمہ ہوم لینڈ سیکیورٹی (Department of Defence) (Department of Homeland Security) کے ساتھ ملٹری پالیسی تشکیل دیتا ہے۔ امریکی افواج کا چین آف کمانڈ صدر (بطور کمانڈر انچیف) کے ذریعہ سیکریٹری دفاع سے ہوتا ہوا combatant کمانڈ کے کمانڈرز سے ہوتا ہوا افسروں، اور آخرکار تازہ ترین بھرتی شدہ فوجیوں پر جا کہ رکتا ہے۔ متحدہ جنگی کمانڈ (Unified Combatants Command) امریکہ کی مسلح افواج کی ایک کمانڈ ہے جو کم از کم دو سروس برانچوں کی یونٹوں پر مشتمل ہوتی ہے اور یہ جغرافیائی بنیادوں پر جس کو "ذمہ داری کے علاقے" (Areas of Responsibility) کے نام سے جانا جاتا ہے، یا پھر فنکشنل بنیادوں پر، جیسے اسپیشل آپریشنز، پاور پروجیکشن، یا ٹرانسپورٹ، پر تشکیل پاتی ہے. CENTCOM, EUCOM, INDOPACOM, NORTHCOM, SPACECOM اور SOCOM وغیرہ UCC کے ڈھانچے کے تحت ہی کام کرتے ہیں۔ اور اسی کے تحت ہی امریکی بحری بیڑے دنیا کے سمندروں میں گشت کرتے ہیں۔

اگر ان تمام مباحث کو مجتمع کر لیا جائے، تو سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کی بنیاد پر کھڑا سیاسی طور پر مضبوط آئین، ایک بہت بڑی قومی معیشت اور اس سے ملحقہ مالیاتی منڈیاں، سازگار جغرافیائی پوزیشن، وسیع قدرتی وسائل، شیل آئل اور گیس کی مقامی پیداوار میں انقلابی پیشرفت، ایک بڑی آبادی اور اس میں متحرک سول سوسائٹی، اعلیٰ فی کس آمدنی، سائنسی اور تکنیکی جدت، دنیا بھر میں اتحاد کے نیٹ ورکس، کرہ ارض پر اہم فوجی قابلیتیں ان سب کے بل بوتے پر امریکہ دنیا کی سپر پاور بن کر ابھر کر سامنے آیا ہے۔ دوسری بڑی طاقتیں ان تمام درج کی گئی خوبیوں اور صلاحیتوں میں سے کسی ایک دو، یا پھر چند کی مالک ضرور ہیں، لیکن ان میں سے کسی کے پاس بھی ریاست ہائے

متحدہ کی طرح یہ تمام کی تمام ایک ساتھ موجود نہیں۔

قطع نظر اس بات کے کہ امریکی طاقت کا دنیا میں فالحال کوئی ثانی نہیں ہے، لیکن اس کا نظام بھی پارلیمانی نظامِ حکومت کی طرح بہرحال انسانی دماغ کی اختراع ہی ہے، اور ایک گہری فکر رکھنے والا دینِ اسلام کا علمبردار اس میں موجود اور بڑھتی ہوئی سٹرکچرل یعنی ساختی خامیاں کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

ہر نیا آنے والا امریکی اپنے صدر اپنے پہلے سال میں مختلف شعبہ جات میں 4000 کے قریب نئے عہدیدار معمور کرتا ہے، اور یہ ان سفارتکاروں، محکمے کے سربراہوں اور کابینہ کے ممبران سے ہٹ کر ہیں، کہ جن کی منظوری سینیٹ سے لی جاتی ہے. اتنی بڑے پیمانے پر محکماتی تبدیلی امریکی ایڈمنسٹریشن کو پہلے سال میں تقریباً مفلوج کر دیتی ہے، جس کی وجہ سے ہم نے یہ دیکھا ہے کہ امریکی تاریخ میں کوئی بھی نیا صدر اپنے پہلے سال میں کوئی خاطر خواہ پالیسی نہ لا سکا، ماسوائے اس کے کہ اسے کسی ہنگامی واقعے کی بنیاد پر ایک دم سے سیاسی کیپٹل حاصل ہو جائے، جیسے کہ بش کو 9/11 کے بعد مل گیا تھا، کسی بھی امریکی صدر کی ہر اہم نوعیت کی پالیسی پر پیش رفت اس کے انتخاب کے دوسرے، تیسرے یا چوتھے سال میں جا کر ہی ہو سکی. چاہے صدر اوباما کی اوباما کیئر (Obamacare) ہو یا ایران ڈیل (JCPOA)، بش کی عراق کی جنگ ہو یا ٹرمپ کی USMCA۔

امریکی عدالتی نظام کے بارے میں ایک libertarian تھنک ٹینک CATO انسٹیٹیوٹ یہ کہتا ہے کہ مجرمانہ انصاف کے نظام کو جیوری کے نظریے کے تحت تشکیل دیا گیا تھا جبکہ آج امریکی عدالتوں میں صرف 10 فیصد مقدمات ٹرائل میں جاتے ہیں، جبکہ باقی 90 فیصد کیسز میں

پراسیکیوشن ملزم کے ساتھ ڈیل کر کہ ایک نسبتاً کم سزا دینے کی پیش کش پر مک مکا کر دیتی ہے۔ جس کے نتیجے میں امریکی عدالتی نظام کے مجرمانہ انصاف کے نظام کا ایک بہت بڑا حصّہ بے وقعت ہو کر رہ جاتا ہے. جبکہ سزا یافتہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہونے کے نتیجے میں امریکہ کی آبادی کا کل ایک فیصد حصّہ آج بھی جیلوں میں بند ہے، جو کہ دنیا میں اب تک کا ایک ریکارڈ ہے اور معاشرے کے بگاڑ اور کرپشن کی نشاندہی کرتا ہے۔ امریکہ کی آبادی کا 12 فیصد سیاہ فام النسل ہے، جبکہ اس کی جیلوں میں قیدیوں کا 37 فیصد سیاہ فاموں پر مشتمل ہے، جو کہ امریکہ کے طبقوں میں شدید معاشی اور نسلی تعصب کی نشاندہی کرتا ہے۔ اسلام کے نظام میں لوگوں کے معملات اتنے احسن طریقے سے چلے جارہے ہوتے ہیں کہ ان میں آپس میں تنازعات سرمایادارآنہ نظام کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں۔

معاشرتی سطح پر آزادیوں کے حوالے سے کچھ معاملات پر اتفاق رائے نہ ہونے کی وجہ سے آج امریکی معاشرہ شدید اندرونی پھوٹ کا شکار ہے. معاشرے کا شہری اور آزاد خیال طبقہ ایک عورت کے جسم پر اس کی مرضی کو اٹل تصوّر کرتا ہے، اور یہ پرو چوائس طبقہ حمل کے آخری دن تک پیٹ میں موجود بچے کی جان لینے کو حق بجانب گردانتا ہے. اس کے دوسری جانب قدامت پسند طبقہ حمل کے پہلے دن سے ہی ایمبریو کے ضائع کرنے پر شدید احتجاج کرتا ہے۔ اسی طرح اگرچہ امریکی اعلیٰ عدالتیں ان معاشرتی معاملات پر فیصلے ضرور صادر کر دیتی ہیں، جیسے کہ سپریم کورٹ نے 1973 میں Roe v Wade کے کیس میں اسقاط حمل کے حق میں فیصلہ سنایا، مگر اس کے نتیجے میں اس بحث پر اتفاق رائے ہونے کے بجائے الٹا نتیجہ نکلا، اور مخالف نظریات مزید مستحکم ہوتے گئے۔ اس فیصلے کے 47 سال بعد آج صورت حال اس نہج پر پہنچ چکی ہے، کہ کبھی ایک

طرف پرو چوائس کی طرف سے مارچ ہوتے ہیں، تو دوسری طرف قدامت پسند ریاستیں اسقاط حمل کے پراسیس تک رسائی کو مشکل بنانا شروع کر دیتی ہیں، ایک طرف ناجائز بچوں کی پیدائش میں اضافہ ہو رہا ہوتا ہے، تو دوسری طرف اسقاط حمل کلینک پر حملے ہو رہے ہوتے ہیں۔ امریکی معاشرے میں دن بدن یہ پھوٹ بڑھتی جارہی ہے، جبکہ امریکی سیاسی نظام اس کو حل کرنے، یا اس پر اتفاق رائے بنانے میں ناکام ثابت ہوا ہے. بلکہ الٹا امریکی سیاسی پارٹیاں اور سیاسات دان ان تنازعات کے بل بوتے پر اپنی سیاست چمکانا شروع ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے معاشرے میں انتشار کو مزید ہوا مل رہی ہے۔

امریکی معاشی نظام بہت زیادہ دولت پیدا کرنے کے باوجود، اس کی منصفانہ تقسیم کرنے سے یکسر قاصر ہے، جس کی وجہ سے فیڈرل ریزرو کی طرف سے احتیاط کے باوجود، ہر آنے والا مالی بحران، پچھلے سے زیادہ شدید نوعیت اختیار کر جاتا ہے. بحران کے نتیجے میں جب عوام سیاسی تبدیلی کا مطالبہ کرتی ہے، تو وہ تبدیلی ہر بار امریکی اسٹیبلشمنٹ کے مفادات کے موافق نہیں ہوتی. کچھ تجزیہ نگار امریکی صدر ٹرمپ کے منتخب ہونے کو 2008 کے مالیاتی بحران کا براہ راست نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ ٹرمپ کی طرح کے سیاستدان اقتدار میں آکر مجبور ہوتے ہیں کہ اپنی مقبولیت کو برقرار رکھنے کے لئے معاشرتی، نسلی، صنفی اور معیشتی تقسیم کو مزید ہوا دیں، جس کے نتیجے میں معاشرے کے مخالف طبقات کی آپس میں نفرتیں بڑھتی جاتی ہے، اور یہ آخر کار ایک وقت کے بعد جا کر پورے نظام کی کمزوری کا باعث بنتا ہے، جس کے اشارے آج ہمیں امریکہ میں نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔

بنیادی صحت کی فراہمی کا فقدان امریکہ میں ایک مستقل مسئلہ رہا ہے۔ اگرچہ 2010 کے Affordable Care Act (ACA) نے صحت کی کوریج سسٹم میں موجود خامیوں کو دور کرنے کی کوشش ضرور کی لیکن ریاست ہائے متحدہ میں صحت کی انشورنس کے بغیر لوگوں کی تعداد 2017 میں 25.6 ملین سے بڑھ کر 2018 میں 27.5 ملین ہو گئی۔ یہ بنیادی طور پر اس وجہ سے ہے کہ امریکہ میں صحت کو صرف ایک کمرشل پروڈکٹ کے طور پر دیکھا جاتا ہے، نہ کہ ایک بنیادی ضرورت کے طور پر، جس کی بدولت بڑی ادویاتی کمپنیاں امریکی سیاسی نظام میں سرمایہ کاری کر کہ ایسی قانون سازی یقینی بناتی ہیں، کہ ان کے مقابلے میں حکومت کی طرف سے عوام کو صحت کی کوئی متبادل سہولیات نہ ملنا شروع ہو جائیں. امریکی مقنّنہ میں رشوت کو لابنگ Lobbying کے نام سے جانا جاتا ہے، اور یہ بالکل جائز فعل ہے، اور یہ سرمایہ دار کو راستہ فراہم کرتا ہے کہ وہ قانون سازوں کے ذریعے ساز باز کر کہ اپنے فائدے کے قوانین بنوا کر ہوشربا منافع خوری کر سکیں. گویا امریکہ کے سیاسی نظام نے کرپشن کے ایک اہم ذریعے کو ختم کرنے کی بجائے اسے قانونی بنا دیا ہے۔

امریکی بحری، بری، فضائی اور مرین افواج، کہنے کو تو دنیا کی طاقتور ترین تصوّر کی جاتی ہیں، لیکن ان کی طاقت کا فریب آج دنیا کے سامنے بے نقاب ہو چکا ہے، جب یہ افواج جذبہ ایمانی سے سرشار افغان مجاہدین کو دو دہائیوں تک لڑنے کے باوجود شکست دینے میں ناکام رہیں، اور صورتِ حال یہ ہو گئی کہ امریکہ کو خود مذاکرات کی بھیک مانگنا پڑی تا کہ اس کی face saving ہو سکے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ چند اسلام پسند اسے اسلام کے قریب تر سمجھنے کا تعلق ہے تو ان کے مطابق چونکہ خلیفہ کا کام بھی صرف قوانین کے نفاذ کا ہوتا ہے اور صدر کا بھی یہی کام ہوتا ہے،

اس لئے اگر اس تک قانون ہی صرف اسلامی پہنچے، تو صدر خلیفہ کی طرح اس قانون کو نافذ کرنے کا پابند ہو گا. ان لوگوں کے ذہنی الجھاؤ میں مزید اضافہ اس بات سے بھی ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کے چند ابتدائی احیاء پسند مفکرین، جیسے کہ علامہ اقبال، جن سے یہ لوگ بہت حد تک اپنی سیاسی افکار حاصل کرتے ہیں، نے بھی اپنی کتاب The Reconstruction of Religious Thought in Islam میں اسی تصور کا ہی پرچار کیا ہے. اقبال کے مطابق، اگر امۃ کے منتخب نمائندوں کو پارلیمنٹ میں اس چیز کا پابند کر دیا جائے کہ وہ قانون سازی اسلام کے مطابق کریں گے، تو یہ دراصل اجتہاد کی ایک جدید صورت ہو گی. اور اسی اجتہاد کو منتخب حکمران کی انتظامیہ نافذ کرنے کی پابند ہو گی. چنانچہ یہ اسلام پسند پارلیمنٹ کو قانون سازی کا حق دے کر اس حق کو اسلام کے قوانین اخذ کرنے تک محدود کر دینے کو ہی اسلام کے نفاذ کے لئے کافی سمجھتے ہیں. موجودہ جمہوری نظام کے نفاذ کی وجہ سے ان کے لیے یہ تصور کرنا ہی محال ہے کہ اسلامی ریاست میں مجلسِ امت کا کام قانون سازی نہیں، بلکہ اس کا کردار حکمران کو مشورہ دینا اور اسلام کے مطابق حکمرانوں کے محاسبے تک محدود ہوتا ہے.

اور جہاں تک ترکی کے اردوگان اور پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کی بات ہے تو ان کا صدارتی نظام کو پسند کرنا صرف اس وجہ سے ہے، کہ اگر اپنی پسند کے بندوں سے پارلیمنٹ کی تشکیل کی جاسکے تو اس کے ذریعے صدر اپنے دائرہ کار میں ایک بے تاج بادشاہ بن سکتا ہے. ایسا دور پاکستانی اسٹیبلشمنٹ نے ایوب خان کی صدارت میں دیکھا تھا اور وہ دوبارا ایسے ہی دور کی واپسی چاہتی ہے یہی وجہ ہے کہ بعض حلقوں کی جانب سے وقتاً فوقتاً صدارتی نظام کے پارلیمانی نظام سے بہتر ہونے کا راگ الاپا جاتا ہے۔

چاہے وہ ملٹری انڈسٹریل کمپلیکس کے امریکی خارجہ پالیسی پر اثر ہو، یا تیل کی لابی کا امریکی سیاست میں کردار، یا امریکی دواسازی کی صنعت کی اپنے حق میں قانون سازی ہو، یا پھر وال سٹریٹ کے انویسٹمنٹ بنکوں کا بحران کا باعث ہونا، یا پھر ان کی بحران کے ادوار میں اپنے مفادات کا تحفّظ کرنے کے لئے کانگریس کا استعمال کرنے والی ہوشربا پینیتری بازی ہوں، یہ سب معاملات اس امر کو واضح کر دیتے ہیں، کہ امریکہ کے قیام کا ابتدائی ویژن کوئی بھی ہو، لیکن آج امریکہ حقیقت میں سرمایہ داروں کی مرضی، سرمایہ داروں کے ذریعے، سرمایہ داروں کی خاطر نافذ کرتا ہے. جبکہ اس میں عوام کی اکثریت ایک پے چیک سے لے کر اگلے پے چیک کی درمیانی جدوجہد میں ہی اپنی تمام زندگی صرف کر دیتی ہے۔ امریکہ کا صدارتی طرزِ حکمرانی اس تمام تر کرپشن اور ظلم کو روکنے سے قاصر ہے بلکہ کئی جگہوں پر اس میں معاون کا کردار ادا کرتا ہے۔

آج امتِ مسلمہ کو حکمرانی کے نظام کے لیے برطانیہ کے پارلیمانی یا امریکہ کے صدارتی نظام کی طرف رجوع کرنے کی بجائے صرف اور صرف قرآن و سنت سے اخذ کردہ نظامِ خلافت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ اشرافیہ کے ہاتھوں نظام کے گروی ہونے کا خاتمہ کرتا ہے کیونکہ نظامِ خلافت میں قانون سازی کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہوتی کیونکہ اس نظام میں محدود عقل رکھنے والے اوراپنے مفاد کو مدنظر رکھنے والے انسانوں کی خواہشات کی بجائے قوانین قرآن و سنت سے اخذ کیے جاتے ہیں۔ یہ امر کہ قانون اور جرم کو طے کرنے کا اختیار اعلیٰ انسان کے ہاتھ میں ہے، نے دنیا کو ابتر بنا رکھا ہے۔ حکمرانی و اتھارٹی کی تقسیم اور اندازِ حکمرانی کا معاملہ اس بنیادی امر کے سامنے ایک ثانوی چیز ہے۔ دوسرے لفظوں میں خواہ پارلیمانی جمہوریت ہو یا صدارتی

ریپبلک، دونوں نظام اسمبلیوں یا ہاؤسز کے اقتدارِ اعلیٰ پر مبنی ہیں، جس کے نتیجے میں اشرافیہ اس قابل ہے کہ وہ قانون سازی کے تمام تر عمل اثر انداز ہو کر اس سے اپنے مفاد پورا کرتی ہے۔ تاہم خلافت دنیا کے تمام نظام ہائے حکمرانی سے یکسر مختلف، ممتاز اور بالاتر نظام ہے کیونکہ اس میں حاکمیت اعلیٰ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ خلیفہ پابند ہوتا ہے کہ وہ صرف اور صرف قرآن و سنت سے اخذ کردہ قوانین کو نافذ کرے، یوں اشرافیہ کے کنٹرول کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ خلافت وہ نظامِ حکومت ہے کہ جس کے تحت امتِ مسلمہ ایک ہزار سال تک سپر پاور کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر موجود رہی اور ان شاء اللہ امت دوبارا یہ مقام حاصل کرے گی۔

﴿وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلاَ تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَٱحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن بَعْضِ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ﴾

"اور ان کے درمیان اللہ کے نازل کردہ احکامات کے ذریعے حکمرانی کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی کبھی نہ کیجئے گا اور ان سے خبردار رہئے کہ یہ کہیں آپ کو اُس میں سے کچھ کے بارے میں فتنے میں نہ ڈال دیں کہ جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا ہے" (المائدہ 49)

ختم شد

مسلم امت کا تعلیمی زوال: اسباب اور حل

تحریر: اسجد

﴿هُوَ ٱلَّذِىٓ أَرۡسَلَ رَسُولَهُۥ بِٱلۡهُدَىٰ وَدِينِ ٱلۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهُۥ عَلَى ٱلدِّينِ كُلِّهِۦ وَلَوۡ كَرِهَ ٱلۡمُشۡرِكُونَ﴾

"وہ اللہ ہی ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تا کہ اسے سب ادیان پر غالب کرے اور اگرچہ مشرک ناپسند کریں"(9:33)

قرآنِ کریم کی یہ آیتِ کریمہ اس مقصد کی طرف اشارہ کرتی ہے جس مقصد کے ساتھ اسلام اتارا گیا، یعنی اسلامی آئیڈیالوجی کے مطابق ایک ورلڈ آڈر کا قیام۔ اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ نبی محمد ﷺ، ان کے اصحابؓ اور بعد میں آنے والی نسلوں میں اس مقصد کی جڑیں انتہائی گہری تھیں۔ یہ ایک عالمی سوچ ہی تھی جس نے انھیں ایک اسلامی ریاست کے قیام کیلئے اور پھر ایک وسیع دنیا تک اس کے پھیلاؤ کیلئے تیار کیا۔

یہ وہی ریاست تھی جس نے نہ صرف بیشتر سائنسی اور غیر سائنسی شعبہ جات میں علم کا ذخیرہ پیدا کیا بلکہ خوارزمی، عمر خیام، البطانی، البیرونی، المجریتی، الادریسی، المسعودی، الجزری، الرازی، ابن سینا اور ابن الھیثم جیسے جید اہلِ علم اور ماہرین بھی پیدا کیے۔ قدیم یونانی فلسفے کا حتمی رد کرنے والے امام غزالی جیسے فلسفی بھی اسی ریاست کی پیداوار تھے۔

یہ سب اس وقت ہو رہا تھا جب یورپ بدستور تاریکی کے دور میں موجود تھا اور براعظم یورپ میں

مسلسل جنگیں رہا کرتی تھیں۔ وہاں علماء اور دانشور صرف اس وقت سامنے آئے جب اسلام کے وہاں تک پھیلاؤ کے نتیجے میں یورپی معاشرے میں علم پھیلنا شروع ہوا۔

لیکن مسلم سائنسدانوں کو ریاستِ خلافت سے ملنے والی حوصلہ افزائی کے طرز عمل کے برخلاف یورپی سائنسدانوں کو ان کی حکومتوں نے سائنس کو پڑھنے اور اس میں ترقی کرنے پر سخت سزائیں دیں۔ اسلامی ریاست نے آئبیریا سے ہندوستان تک عظیم تعلیمی ادارے قائم کر رکھے تھے کیونکہ اس کے خیال میں علم کا حصول ایک مکمل اسلامی شخصیت کے حصول کی طرف ایک اہم قدم تھا، اور ٹیکنالوجی کے حصول کے بغیر ریاست مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں ذکر کیے گئے تقاضے کو پورا نہیں کر سکتی۔ اس کے برخلاف، چرچ کا یہ ماننا تھا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا فروغ اس کی طاقت کے مرکز، یعنی وہم اور توہم پرستی پر حملے کا باعث بنے گا۔ یہ اس دور کی شرح خواندگی میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اس وقت جب اسلامی ریاست میں ناخواندگی تقریباً موجود ہی نہیں تھی، یورپ میں اس کی شرح 95٪ تھی۔

راجر بیکن، پیٹروڈی ابانوPietro d'Abano ، سیکوڈی آسکولیCecco d'Ascoli ، مائکل سرویٹسMichael Servitus ، گیرولاموکارڈانوGirolamo Cardano ، نکولس کوپرینکسNicholas Copernicus اور گلیلیو گیلیلی کے خلاف چرچ کی جانب سے مشہور قانونی کاروائیوں نے مغرب میں اس عمومی سوچ کو جنم دیا کہ مذہب سائنس کی مخالف ہے۔ یہ سراسر اس کے برخلاف تھا جو شاندار اسلامی دور میں سامنے آیا۔ امام غزالی نے لکھا: " وہ شخص مذہب کا مجرم ہے جو علوم ریاضات کی نفی کرنے کو اسلام میں مہارت کے حصول کا طریقہ

سمجھے"۔

1924 میں خلافت کے انہدام سے لیکر آج تک مسلم امت مغرب کے سیاسی منصوبوں کے مرہونِ منت رہی ہے۔ مغرب اس تعلیم کو آنے والی مسلم نسلوں کیلئے ایک اہم نو استعماری(Neo-colonialism) آلے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔اس امت کی فکری قیادت یعنی اسلامی عقیدے سے حل پیش کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اس تعلیمی نظام میں موجود بنیادی مسائل کا تجزیہ کیا جائے۔

سب سے بنیادی مسئلہ اس تعلیم کو سیکولر سوچ کے ساتھ جوڑنا ہے جس کے نتیجے میں اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ عام امت سے الگ ہو جاتا ہے کیونکہ اسلامی سیاسی سوچ کے بغیر یہ طبقہ عام لوگوں کے مسائل کو نہیں سمجھ پاتا اور نہ ہی اس بات کا ادراک کر پاتا ہے کہ لوگ بعض اقدار اور روایات کے ساتھ اتنی مضبوطی سے وابستہ کیوں ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کے باوجود اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ اس امت کے مسائل کو حل کرنے میں ناکام ہے بلکہ وہ ان مسائل میں اضافہ ہی کرتے ہیں۔ تعلیم دینے کے کمزور طریقہ کار اور سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے ساتھ مل کر اس بنیادی مسئلے نے کئی مزید مسائل کو جنم دیا ہے۔

دانشور طبقے اور معاشرے کے مسائل کے درمیان یہ فاصلہ دراصل استعمار کی جانب سے ہمارے معاشرے میں ڈالی گئی فکری اور ثقافتی کرپشن ہے۔ عوام نے کئی بار سیاسی اعمال، ریفرینڈم اور رائے شماری کے ذریعے اسلام کے افکار کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کیا ہے۔ یہ امر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ معاشرے کے ترقی کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ اس پر اسلام کے نظام کو نافذ کیا

جائے تا کہ نظام اور لوگوں کے جذبات و رجحانات میں ہم آہنگی پیدا ہو۔ لیکن اسکولوں اور جامعات میں دی جانے والی تعلیم نہ تو اسلامی عقیدے پر مبنی اسلامی شخصیات کی تعمیر کرتی ہے اور نہ ہی طلباء میں اسلامی سیاسی سوچ پیدا کرتی ہے۔ اس کے برعکس یہ تعلیم انہیں سیکولر شخصیات میں تبدیل کر دیتی ہے جو جمہوریت اور آزادیوں جیسی مغربی اقدار اور وطنیت اور قومیت جیسے غیر اسلامی روابط Bonding کا دفاع کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کی جانب سے امت پر نافذ کی گئی پالیسیاں اس امت کے مرکزی عقائد سے ٹکراتی ہیں جو زندگی کے تمام شعبہ جات میں تضاد، انتشار اور نتیجتاً جمود کی جانب لے جاتا ہے۔

تعلیمی نظام کا ایک اور اہم مسئلہ تعلیم دینے کا رائج طریقہ کار ہے جو عقل پر مبنی نہ ہونے، تخلیقی صلاحیت سے عاری ہونے، جاندار اور متنوع نہ ہونے کی وجہ سے طلباء کو بیزار کر دیتا ہے۔ اس تعلیمی طریقہ کار کی توجہ امتحان پاس کرنے اور کچھ اسناد حاصل کرنے کی غرض سے معلومات کو یاد کر لینے پر موقوف ہوتی ہے جس کے باعث علم طلباء تک اس انداز میں نہیں پہنچ پاتا جو طلباء کو سوچنے، تحقیق کرنے، تجزیہ کرنے اور علم کا حقیقت سے تعلق قائم کرنے کی طرف ابھارے۔ حقیقت کے ساتھ تعلق کی سمجھ اور تجزیے کی بجائے محض ہدایات اور تھیوری کو نظام کی بنیاد بنانے کے باعث تعلیم کے حصول میں دلچسپی میں بھی کمی آجاتی ہے۔ پھر یہ حیرانی کی بات نہیں کہ یہ طلباء زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی فکر استعمال کرنے کی بجائے مسائل کے مغربی حل کی نقالی اور وکالت کرتے ہیں، یہ جانے بغیر کہ ان تمام مسائل کی وجہ دراصل مغربی افکار اور تصورات کو اپنانا ہی ہے۔

اس تعلیمی نظام کا ایک اور مسئلہ سرمایہ داریت کی انفرادی سوچ بھی ہے جو تعلیم کو ایک ایسے آلے کے طور پر دیکھتی ہے جو انفرادی کامیابی، ذاتی خوابوں کے حصول اور قلیل مدت مفادات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، جس کا ہدف فقط فرد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام اپنی تنگ نظری کے باعث کامیابی کی تعریف معاشی استحکام پانے کیلئے ایک نوکری کے حصول کے طور پر کرتا ہے۔ یہ سیکولر اقدار ایک پیشے کے حصول کو فرد کی اعلیٰ کامیابی کے طور پر دیکھتی ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کی منافع خور فطرت نے بھی تعلیمی نظام کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ عالمگیریت اور لبرل سرمایہ داریت کے پھیلاؤ کو تعلیم کی نجکاری کے ساتھ ایسے جوڑا گیا کہ تعلیم امیر طبقے کیلئے ایک کاروباری شے بن کر رہ گئی ہے۔ یہ وسیع تر ناخواندگی کی ایک بڑی وجہ ہے جس نے عوام کو زندگی کے مسائل سے نمٹنے کیلئے درکار علم سے دور کر کے غربت اور مفلسی کی گہرائیوں میں دھکیل دیا ہے۔

علاوہ ازیں، یہ نظام بلاواسطہ میکالے کے تعلیمی نظام کے اہداف کیلئے راہ ہموار کرتا ہے جس کا مقصد ایک ایسی تعلیم یافتہ اشرافیہ کا طبقہ تعمیر کرنا تھا جو معاشرے کے استحصال میں اپنے استعماری آقاؤں کے سہولت کار بن سکیں۔ اس کا ثبوت پوری مسلم دنیا اور تیسری دنیا کے ممالک میں موجود ہے جہاں معاشرے کے اقتصادی شعبدہ باز IMF اور عالمی بینک سے قرضے لینے کی طرف زور لگاتے ہیں جس کے باعث ان نو استعماری اداروں کی تباہ کن پالیسیوں کے نفاذ کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

انفرادیت اور منافع خوری، دونوں کے خطرات کی طرف امام غزالی نے اپنی کتاب، "بدایہ الھدایہ" کے ابتدائیہ میں اشارہ کیا، "اگر تعلیم کے حصول کی جدوجہد میں آپ کا مقصد مقابلہ کرنا،

بڑھانا چڑھانا، عمر اور معیار میں برابر لوگوں کو نیچا دکھانا، دوسروں کی توجہ حاصل کرنا اور اس دنیا کے تمغے حاصل کرنا ہے، پھر آپ حقیقت میں اپنی دینی فطرت کو اور اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں تاکہ آپ اپنی آخرت (کی خوشی) کو اپنی دنیا (کی خوشی) کے بدلے بیچ سکیں۔۔۔"۔

یہ اور ان جیسے دیگر مسائل کی وجہ سے اور قرآن وسنت کے متعدد دلائل کی بنیاد پر امت اجتماعی طور پر ذمہ دار ہے کہ اس اسلامی ریاست کو دوبارہ قائم کرے جو اس امت کو اس موجودہ ورلڈ آرڈر سے نجات دلائے اور اسلامی آئیڈیالوجی کے ذریعے اس امت کو عروج بخشے۔

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ وَيَكُونَ ٱلرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾

"اور اسی طرح ہم نے تمہیں برگزیدہ امت بنایا تاکہ تم اور لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو"(2:143)

ایک ایسی عروج پزیر اسلامی ریاست جس کا مقصد ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ دنیا کی رہنمائی کرنا ہے، اسے دنیا کی ریاستوں کے درمیان اپنا بلند مقام بنانے کیلئے بیشتر مفکرین اور سائنسدانوں کی ضرورت پڑے گی جو اسلامی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر عالمی سطح پر اس ریاست کے قائدانہ اور مؤثر کردار کی ضمانت دیں۔

ایسی ریاست کیلئے یہ تباہ کن ہو گا کہ تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں ترقی کیلئے غیر ممالک پر انحصار کرے، جو کہ استعماری حکومتوں کیلئے اس ریاست کو کنٹرول کرنے کے دروازے کھول دے گا۔ لہٰذا مغربی تعلیمی افکار کو درآمد کرنے کے عمل کو جاری رکھنے کی بجائے یہ ریاست

اسلام سے اخذ کیے گئے افکار اور تصورات کے ذریعے عالمی نظامِ تعلیم کی رہنمائی کی کوشش کرے گی۔ سب سے پہلے اسلامی ریاست اس امر کا ادراک کرے گی کہ تعلیمی پالیسی کو اسلامی عقیدے کی بنیاد پر استوار ہونا چاہیے۔ لہٰذا ریاست کا نصاب صرف اسلامی افکار کی ہی بنیاد پر ہو گا۔ ایسے تعلیمی نظام کا مقصد افکار اور رویوں کے اعتبار سے اسلامی شخصیات ڈھالنا ہو گا اور یہ کہ لوگوں کو زندگی کے معاملات سے متعلق علوم سے آراستہ کیا جائے۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی آئندہ نسلیں ہر شعبہ زندگی میں اہلِ علم اور ماہرین پیدا کرنے کے قابل ہو جائیں گی، چاہے وہ اسلامی علوم میں ہو جیسے اجتہاد، فقہ، عدلیہ وغیرہ یا پھر سائنسی علوم میں ہو جیسے انجینئرنگ، کیمیات، فزکس، طب، انفارمیشن ٹیکنالوجی وغیرہ۔ پھر اس بنیاد پر مسلسل قائم رہنے کیلئے تعلیمی طریقے سے متعلق انتظامی تفصیلات مرتب کی جائیں گی۔

لہٰذا پالیسی سازوں کیلئے تجرباتی علوم اور ثقافتی علوم میں فرق کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ تجرباتی علوم کو کسی روک ٹوک کے بغیر حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن ثقافتی علوم میں احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ اسلامی ثقافت کو تمام تعلیمی اداروں میں تمام تعلیمی درجات میں پڑھایا جانا ضروری ہے، خواہ وہ سکول ہو یا کالج یا یونیورسٹی۔ تعلیم کے اولین درجات میں تمام ثقافتی علوم کو ایک مخصوص پالیسی ہدایات کے مطابق استوار ہونا چاہیے جو اسلامی افکار اور احکامات سے متناقض نہ ہو۔ اعلیٰ تعلیمی درجات میں یہ ثقافتی علوم زیادہ تفصیل میں پڑھائے جائیں گے مگر اس کے ساتھ ساتھ اسلامی افکار و تصورات سے متناقض ثقافت کا مضبوط رَد بھی پڑھایا جائے گا جیسا کہ ڈارون جیسی مغربی ثقافتی افکار یا انسانی جبلتوں کے متعلق فرائیڈ کی تھیوری۔

وہ نجی اسکول اور تعلیمی ادارے جو کسی قسم کے بیرونی تعلقات کے بغیر ریاست ہی کا تعلیمی نصاب پڑھائیں گے، انھیں اپنی تعلیمی سرگرمیوں کی اجازت ہو گی۔ لیکن یہ سمجھنا اہم ہے کہ علم کے حصول اور فروغ کے ذرائع کی فراہمی کی ذمہ داری اسلامی ریاست کی ذمہ داریوں میں سے ہے۔اس ذمہ داری میں اسکولوں اور جامعات کے علاوہ لیباٹریوں ، تحقیقاتی اداروں اور لائبریریوں کا قیام اور سرپرستی وغیرہ شامل ہے جو اسلامی علوم اور تجرباتی علوم دونوں پر مشتمل ہوں گے۔اس تمام کے باعث عوام اس قابل ہوں گے کہ علم کا حصول براہِ راست ان کی پہنچ میں ہونہ کہ اس کیلئے وہ مخیر گروہوں کے مرہونِ منت ہوں۔

تعلیم کا طریقہ کار معلومات کے حصول کیلئے فقط سائنسی یا منطقی طریقوں پر انحصار نہیں کرے گا بلکہ وہ عقلی طریقہ کار پر مبنی ہو گا،یعنی استاد کی طرف سے عقلی توجیح اور طالبِ علم کی طرف سے اس کی فکری وصولی۔ فکر اور ذہن تعلیم دینے اور حاصل کرنے کیلئے ایک آلہ کار ہے اور اسی کی موجودگی انسان کو دیگر تمام مخلوقات سے افضل بناتی ہے۔ اس فکری طریقہ کار کے چار حصے ہیں: دماغ جس میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے،حواسِ خمسہ ، موجود حقیقت اور اس حقیقت سے متعلق سابقہ معلومات۔ پس عقلی طریقہ کار اس طرح کام کرتا ہے کہ حواس کے ذریعے حقیقت کا احساس دماغ تک منتقل ہوتا ہے جو سابقہ معلومات کی روشنی میں اس حقیقت کو سمجھ کر اس پر حکم لگاتا ہے۔

اساتذہ اپنے طلباء کو علم پہنچانے کیلئے مختلف اسالیب استعمال کریں گے جن میں زبان کا استعمال سب سے زیادہ ہے۔ فکر منتقل کرنے میں ایک استاد کی کامیابی کا اندازہ اس سے لگایا جائے گا کہ آیا طالبِ علم اس فکر کو حقیقت کے ساتھ مربوط کر سکتا ہے یا نہیں۔ دوسری طرف اگر طالبِ علم جملوں کا

معنی تو سمجھ لے مگر فکر کا حقیقت کے ساتھ رابطہ نہ جوڑ سکے، تو اس کا نتیجہ محض معلومات کی منتقلی ہو گا جو علم یافتہ افراد تو پیدا کر دے گا مگر ان میں فکری صلاحیتیں موجود نہیں ہوں گی۔

سائنسی طریقہ کار صرف تجرباتی علوم تک ہی محدود ہو گا لیکن اس میں بھی عقلی بنیاد پر اخذ کردہ نتائج کو ترجیح حاصل ہو گی۔ منطقی طریقہ کار سے گریز کیا جائے گا کیونکہ نہ تو یہ فکری طریقہ کار پر مبنی ہے اور نہ ہی یہ سائنسی تحقیق کے درجے تک پہنچتا ہے۔

زبان کا استعمال بلاشبہ فکری طریقہ خطاب اور فکری تعلیم کے لیے موزوں ترین آلہ ہے اور اسی لیے ہر استاد اور نصاب تعین کرنے والے کیلئے اسے خاص اہمیت دینا ضروری ہے۔ استاد اور شاگرد کے درمیان فکری عمل کے چار عناصر پر مبنی فکری گفتگو کی سہولت کیلئے طلباء کی لغوی صلاحیتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس جگہ بھی استعمار کی زبان کے تعلیمی زبان کے طور پر مسلط ہونے کی وجہ سے امت پر تباہ کن اثرات مرتب ہوئے۔ حقیقت کے ساتھ طلباء کا تعلق جوڑنے کیلئے سب سے زیادہ قابل قرآن کی زبان یعنی عربی ہے۔ لہٰذا ریاست عربی زبان کو تعلیمی زبان کے طور پر اپنائے گی۔

یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ جہاں مندرجہ بالا افکار کی بنیاد اسلامی ثقافت پر مبنی ہے، وہاں تعلیم دینے کے اسالیب اور ذرائع مخصوص نہیں۔ اساتذہ کی حوصلہ افزائی کی جائے گی کہ وہ تعلیمی ضرورت کے مطابق نئے اور مختلف اسالیب استعمال کریں، جن میں تقاریر، بحث ومباحثہ، روایات، کہانی، عملی مسائل کو حل کرنا، تجربہ کرنا اور براہِ راست عملی مشقیں کرنا شامل ہیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جہاں ماضی میں تعلیم یعنی فکری درس و تدریس، لکھنے اور تقریر سے حاصل کی جاتی

تھی، اب وہاں ڈیجیٹل آڈیو اور ویڈیو سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ان ذرائع اور اسالیب کا طلباء کی صلاحیتوں کے اعتبار سے بھی مختلف ہونا ضروری ہے اور استاد کو طلباء کے مابین فرق اور تفاوت کو پہچاننا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ اسلامی ریاست طلباء کی فکری تعلیم کیلئے جدید ذرائع اور اسالیب استعمال کرے گی جو نہ صرف طلباء کی اسلامی شخصیات کی تعمیر کا ہدف حاصل کرے گا بلکہ تمام شعبہ ہائے حیات میں ماہرین بھی پیدا کرے گا۔ امت میں اسلامی عقیدے کی تقویت سے امت کی اسلام کیلئے وفاداری مضبوط ہو گی، اس کی ثقافت کی حفاظت ہو گی اور یہ اپنے بلند مقاصد اور اہداف حاصل کر سکے گی۔ لہٰذا تعلیم اس امت کو دنیا میں اعلیٰ ترین مقام حاصل کرنے اور اسے دیگر اقوام پر غالب کرنے میں اہم کردار ادا کرے گی۔

﴿وَلَن يَجْعَلَ ٱللَّهُ لِلْكَٰفِرِينَ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ سَبِيلاً﴾

"اور اللہ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر گز غالب نہیں کرے گا"(4:141)

ختم شد

اسلام ہم جنس پرستی کے متعلق کیا حکم دیتا ہے؟

تحریر: خلیل مصعب

پاکستان کے مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کرنے کی کوششوں میں سے ایک کوشش ہم جنس پرستی کی ترویج ہے۔ یہ دعویٰ کہ اسلام نے ہم جنس پرستی کو حرام قرار نہیں دیا ہے ایک کھلا جھوٹ ہے جس کا غلط ہونا قرآن وسنت کے دلائل سے واضح طور پر ثابت ہے۔ سورۃ الاعراف میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے پیغمبر لوطؑ کے قوم کی مثال دے کر ہم جنس پرستی کی مذمت کی ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ** "عورتیں چھوڑ کر تم مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو، بلکہ تم حد سے گزر گئے" (الاعراف، 7:81)۔ اس کے بعد آنے والی آیات میں قوم لوط کے مردوں کے متعلق بتایا گیا ہے جنہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جنسی تعلق کو ختم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور یہ دعویٰ کیا تھا کہ انہیں عورتوں کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کو ایسے سزا دی کہ ان کی قوم کو تباہ کر دیا۔ اس کے علاوہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، **مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهِ** "جسے قومِ لوط کا عمل (ہم جنس پرستی) کرتے ہوئے پاؤ تو یہ فعل کرنے والے اور جس کے ساتھ کیا گیا ہے دونوں کو قتل کر دو" (ترمذی)۔ ان دلائل کی روشنی میں ہم یہ بات واضح طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں ہم جنس پرستی کی نہ صرف سختی سے ممانعت ہے بلکہ ریاست خلافت میں یہ ایک جرم ہے جس پر سزا دی جاتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم جنس پرستی اختیار

کرنے والوں کے متعلق فرمایا، **ارْجُمُوا الأَعْلَى وَالأَسْفَلَ ارْجُمُوهُمَا جَمِيعًا** "اوپر والا ہو یا نیچے والا، دونوں کو سنگسار کر دو"(ابنِ ماجہ)۔ لہٰذا ایمان والوں پر واضح ہے کہ ہم جنس پرستی نہ صرف ایک بہت بڑا گناہ ہے جس پر آخرت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے غضب کا سامنا کرنا پڑے گا بلکہ اس دنیا میں بھی اس گناہ پر سزا ملے گی۔

جب ہم جنس پرستی پر اسلام کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہاں پر یہ بھی لازمی ہے کہ ہم جنسی خواہشات کے حوالے سے اسلام کے نقطہ نظر کو سمجھیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسانوں میں کچھ مخصوص خواہشات رکھی ہیں لیکن اسی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان خواہشات کو اپنے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پورا کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ انسانوں میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ مزیدار خوراک کھانا اور مشروبات پینا چاہتا ہے لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں ان خواہشات کو خاص انداز میں پورا کرنے کا حکم دیا ہے اور ان اشیاء کو کھانے اور پینے سے منع فرمایا ہے جن کی ممانعت ہے جیسا کہ سور کا گوشت اور شراب۔ انسانوں میں دولت جمع کرنے کی بھی خواہش ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں اس خواہش کو اسلام کے احکامات کے مطابق ڈھالنے کا حکم دیا ہے اور غیر شرعی طریقوں سے دولت جمع کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ سود، دھوکہ دینا، ذخیرہ اندوزی کرنا۔ اسی طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی دولت میں سے کچھ حصہ غریبوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا ہے اور احکام شریعت کے مطابق تجارت کرنے کا حکم دیا ہے۔ جہاں تک جنسی خواہش کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ ایمان والوں کو اپنی جنسی خواہش اس طرح پوری کرنی چاہیے جس طرح اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اسے پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایک ایمان والا نکاح سے پہلے جنسی تعلق قائم نہیں

کر سکتا۔ وہ ہم جنس پرستی اور جانوروں کے ساتھ جنسی فعل جیسے لعنتی عمل کو اختیار نہیں کر سکتا۔ ان قوانین کو نافذ کر کے اسلام نے اس بات کو یقینی بنایا ہے کہ ایمان والے اپنی ذاتی خواہشات کے غلام نہ بن جائیں بلکہ اپنے اعمال کو اسلام کی فکر کے تابع رکھیں۔ یقیناً اس دنیا میں ہماری زندگی کا مقصد یہ نہیں کہ کسی بھی طریقے سے اپنی جنسی خواہشات کے تکمیل کریں بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت اور اس کی رضا کا حصول ہی اس دنیا کے زندگی کا اعلیٰ مقصد ہے۔

لیکن لبرل سیکولر نظریہ حیات (آئیڈیالوجی) دیگر تمام باتوں کو چھوڑ کر کسی بھی ذریعے سے انسان کی مادی خواہشات کی تکمیل کو ترجیح دیتی ہیں۔ اس کا پرچار کرنے والے یہ نقطہ نظر اختیار کرتے ہیں کہ انسان کو اس بات کی آزادی ہونی چاہیئے کہ وہ کسی روک ٹوک کے بغیر جنسی خوشی کو حاصل کر سکے۔ ذاتی آزادی کے تصور کو انسانی تعلقات کے قیام میں بنیادی قرار دے کر انہوں نے ہر قسم کے غیر اخلاقی اور غیر شائستہ عمل کو جائز قرار دے دیا جیسا کہ ہم جنس پرستی، بغیر نکاح کے جنسی تعلق قائم کرنا اور ایسا وقتی تعلق قائم کرنا جس کا مقصد محض فوری جنسی لذت کو حاصل کرنا ہو۔

ایمان والوں کو یہ بات اچھی طرح سے سمجھنی چاہیے کہ جنسی تعلق صرف مخالف جنس سے ہی قائم ہو سکتا ہے اور وہ بھی نکاح کے معاہدے کے تحت۔ اس تعلق کا مقصد صرف جنسی لذت کا حصول ہی نہیں ہے بلکہ ہم وہ ذمہ داریاں بھی ادا کر سکیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم پر عائد کی ہیں۔ قرآن ہمیں ان لوگوں کے حوالے سے خبردار کرتا ہے جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات پر عمل نہیں کرتے بلکہ اپنی خواہشات کے مطابق عمل اختیار کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا، **أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ** "بھلا تم نے اس شخص

کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے اور باوجود جاننے بوجھنے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ اب اللہ کے سوا اس کو کون راہ پر لا سکتا ہے۔ بھلا تم کیوں نصیحت نہیں پکڑتے ؟ "(الجاثیہ 45:23)۔

اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ ایمان والے اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لیے غیر شرعی اعمال اختیار نہ کریں، رسول اللہ ﷺ نے مومنین کو نوجوانی میں ہی نکاح کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، **مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَلْيَصُمْ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ** "اے نوجوانو! تم میں جو بھی شادی کی طاقت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہئے کیونکہ یہ نظر کو نیچی رکھنے والا اور شرمگاہ کو محفوظ رکھنے والا عمل ہے اور جو اس کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزے رکھے کیونکہ یہ خواہش نفسانی کو توڑتا ہے "(النسائی)۔ شادی میں تاخیر نہ ہونے سے ایمان والا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ اس کی جنسی خواہشات طویل عرصے تک پوری ہونے سے محروم نہ رہیں۔ جنسی خواہشات اگر طویل عرصے تک پوری نہ ہوں تو ایک انسان میں عدم اطمینان، بے سکونی اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اس بات کے امکانات بڑھ جاتے ہیں کہ وہ مایوسی کے عالم میں اپنی جنسی خواہشات کے تکمیل کے لیے غیر شرعی اور غیر مہذب طریقہ کار اختیار کر لے۔

ہم جنس پرستی کے موضوع کے طرف واپس آتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ بعض حالات وواقعات کی وجہ سے ایک شخص میں اپنے ہی ہم جنس مرد یا عورت کی طرف رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور جنسِ مخالف کی طرف جنسی رجحان بالکل ختم ہو جاتا ہے تو یہ بات واضح رہے کہ اس

حرام عمل کے حوالے سے جو بھی جذبات پیدا ہوں ان پر قابو پایا جانا ضروری ہے۔ اس عمل میں ایک بار بھی ملوث ہو جانے سے انسانی جسم ایک ایسے نئے طریقہ کار سے آگاہ ہو جاتا ہے جس کے ذریعے جنسی خواہش پوری کی جا سکتی ہے اور پھر خود کو اس عمل سے روکنا مشکل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس اصول کا اطلاق ہر غیر مناسب جنسی رویے پر ہوتا ہے جیسا کہ عریاں تصاویر اور ویڈیوز دیکھنا، نکاح سے پہلے جنسی تعلق قائم کر لینا، وغیرہ وغیرہ۔ ایک ایمان والے کو اس حوالے سے خود کو نظم و ضبط کا پابند کرنا ہے اور خود کو گناہ سے بچانا ہے اور اللہ کے خوف کو دل میں اجاگر کرنا ہے تاکہ اس غلط میلان کی اصلاح ہو سکے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہم جنس پرستی کا کوئی بھی عمل ایک شخص کی اپنی مرضی و اختیار اور اس کے اپنے انتخاب سے ہوتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں گناہ کرنے پر مجبور نہیں کرتے اور نا ہی انہوں نے ہم میں ایسی کوئی خصلت ڈالی ہے جو ہمیں یہ گناہ والا عمل کرنے پر مجبور کرتی ہو۔ لہٰذا یہ دعوی جھوٹ پر مبنی ہے کہ کچھ افراد پیدائشی طور پر ہم جنس پرست ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایک ایمان والا ہونے کے ناطے ہم پر یہ فرض ہے کہ ہم اپنی خواہشات کو اس طریقے سے پورا کریں جس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔ ہمیں خود کو قوانین اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے احکامات سے بالاتر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ ہم اس کی رعایا ہیں۔ یقیناً اللہ ہی ہر بات کا علم رکھتے ہیں اور وہی بہتر جانتے ہیں۔

ختم شد

ارطغرل غازی کے دور سے حاصل ہونے والے اسباق

تحریر: عبدالمجید بھٹی

ترک ڈرامہ سیریز ارطغرل Diliris Ertugrul نے پاکستان میں مقبولیت کے ریکارڈ توڑ ڈالے ہیں اور عالم اسلام میں بھی بڑی تعداد میں لوگ اسے پسند کر رہے ہیں۔ اس ڈرامے کا مرکزی خیال تیرہویں صدی عیسوی کے ارطغرل کی زندگی پر مبنی ہے۔ ارطغرل کافروں سے جنگیں کرتا ہے، ترکوں کو متحد کرتا ہے اور اپنے بیٹے عثمان کے لیے عثمانی سلطنت کی بنیاد ڈالنے کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اس ڈرامے نے پاکستان کے مسلمانوں کے تخیل کو اس قدر اپنے سحر میں مبتلا کر لیا ہے کہ کچھ لوگوں نے ارطغرل کے اعزاز میں یادگاریں تعمیر کر ڈالی ہیں اور کچھ نے اس کی طرز پر نغمے لکھ دیے ہیں۔

پاکستان کی چھوٹی سی سیکولر اشرافیہ دیریلس ارطغرل کی زبردست کامیابی سے حیران و پریشان ہے اور پاکستان کے لاکھوں مسلمانوں کی جانب سے اس کی پسندیدگی اُن سے ہضم نہیں ہو رہی۔ کچھ نے اس کے خلاف سخت ردعمل دیتے ہوئے کہا کہ پاکستانی قومیت کو مضبوط کیا جانا چاہیے جبکہ دیگر حضرات نے تجویز دی کہ پاکستان کی انٹرٹینمنٹ کی صنعت میں مزید سرمایہ کاری کی جانی چاہیے تاکہ معیاری پاکستانی ڈرامے بیرونی ڈراموں کا مقابلہ کر سکیں۔ لیکن سادہ سی سچائی یہ ہے کہ دیریلس ارطغرل نے پاکستان کے مسلمانوں کے اسلامی جذبات کو اس قدر بھڑکا دیا ہے کہ لوگ اسے دھڑا دھڑ دیکھ رہے ہیں اور خلافتِ عثمانیہ کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

پاکستان کے مسلمانوں پر درآمد شدہ ہالی وڈ اور بالی وڈ فلموں کا سحر باقی نہیں رہا جو گری ہوئی

گھٹیا مغربی اقدار سے بھری ہوتی ہیں جیسا کہ منقسم خاندان، خواتین کا استحصال، خود پرستی، نرگسیت، خود نمائی، ذمہ داریوں سے فرار، بڑوں کی عزت نہ کرنا، جنسی بے راہ روی اور زنا کا فروغ وغیرہ۔ اس کے برخلاف پاکستان کے مسلمانوں کو اسلامی اقدار نے گرفت میں لے لیا ہے جیسے خاندان کے ادارے کا تحفظ، خواتین کی عزت، معاشرے کی فلاح، ایفائے عہد، بڑوں کی عزت کرنا اور اسلامی اخلاقیات وغیرہ۔

ڈیریلس ارطغرل کی اقساط تسلسل سے ان اقدار کی ترویج کر رہی ہیں اور یہ پاکستانی ناظرین کے افکار و احساسات کا آئینہ دار ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ڈرامہ کافروں اور ایمان والوں کے درمیان ایک سیدھی لکیر کھینچتا ہے، جہاد کی عظمت بیان کرتا ہے اور غداروں کو سزا دیتا نظر آتا ہے۔ ان تمام باتوں نے پاکستان کے مسلمانوں میں اس عزت و سرفرازی والے دور میں واپس جانے کی خواہش کو پھر سے بیدار کیا جس کا مشاہدہ مسلمانوں کی پچھلی نسلوں نے کیا تھا۔

لیکن جب پاکستان کے مسلمان اپنے ملک کو اپنے ان احساسات، جذبات اور اقدار کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو وہ مروجہ مغربی افکار اور پالیسیوں سے شدید نفرت محسوس کرتے ہیں اور یہ امر انھیں اکساتا ہے کہ وہ اپنے حالات کو اسلامی اقدار اور طرز زندگی سے تبدیل کریں۔ پاکستان کے مسلمان یہ جانتے ہیں کہ جمہوریت نے انہیں تقسیم کیا ہے اور مغربی بالادستی کا شکار بنا دیا ہے۔ وہ ایک عرصے سے ارطغرل جیسے رہنما کے انتظار میں ہیں جو بلوچی، پختون، پنجابی، سندھی اور دیگر لسانی اکائیوں کو اسلام کی بنیاد پر یکجا کر کے انہیں مغربی استعماریت کے چنگل سے نجات دلائے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ کچھ لوگ اپنے درمیان موجود ان غداروں کو برداشت بھی کرتے ہیں جو اُن کے اِس

خواب کو حقیقت بننے کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہیں۔پاکستان کے مسلمان مغربی سرمایہ دارانہ حل کے نفاذ کی وجہ سے ان کی زندگیوں پر پڑنے والے بھیانک نتائج سے سخت پریشان ہیں اور جانتے ہیں کہ اسلامی حل ہی ان کے مال و دولت اور زندگی کی دیگر ضروریات کا تحفظ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ مغرب کی جانب سے مسلط کیے گئے ان رہنماوں کو مزید وقت اس بیکار امید پر دینا چاہتے ہیں کہ وہ ان کی زندگی میں تبدیلی لے آئیں گے۔ پاکستان کے مسلمان کشمیری مسلمانوں کی جابر ہندو سے آزادی کا مطالبہ کر رہے ہیں، اور وہ ارطغرل جیسے کسی رہنما کے منتظر ہیں جو جہاد کرے، جابر ہندوؤں کو کچل ڈالے اور پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے خواب کو پورا کر دے۔ لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ اپنی طاقتور فوج کی خاموشی پر لب کشائی نہیں کرتے جو ہندوؤں کے چنگل سے کشمیر کو آزاد کرانے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے۔

تبدیلی کی امید رکھنے کے باوجود خاموش رہنا دراصل ایک طویل عرصے تک مغربی بالادستی کے زیرِ سایہ زندگی گزارنے کے خطرے کو جنم دے دیتا ہے۔ قرآن ہمیں صورتحال کی تبدیلی کی کوشش نہ کرنے پر خبردار کرتا ہے، ﴿إِنَّ اللَّهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾ **"اللہ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اس چیز کو نہ بدلیں جو ان کے اپنے نفوس میں ہے"**(الرعد، 13:11)۔ اس بات کو یقینی بنانے کے لیے کہ دیریلس ارطغرل سے پیدا ہونے والے خالص اسلامی جذبات اسلامی حکمرانی کی بحالی تک لے جائیں، یہ ضروری ہے ارطغرل کے دور کا دوبارہ جائزہ لیا جائے اور مسلمان اس سے حاصل ہونے والے اہم اسباق پر غور کریں تاکہ مطلوبہ تبدیلی حاصل کرنے کے لیے وہ انہیں اپنی سیاسی زندگیوں میں نافذ

کریں۔

تیرہویں صدی عیسوی میں، جس کے پس منظر میں یہ ڈرامہ بنایا گیا، سات اہم کردار تھے: صلیبی (یورپی طاقتیں)، بازنطینی (رومی)، منگولوں کے روپ میں کافر استعمار اور بکھری ہوئی مسلم ریاستیں: ایوبی، سلجوق اور عباسی۔ ساتواں کردار وہ ترک قبائل تھے جو وسطی ایشیا میں منگولوں کے ظلم وستم سے بچ نکل کر کسی نئے وطن کی تلاش میں تھے۔ اس پس منظر میں ہم مندرجہ ذیل نکات اخذ کر کے اپنی موجودہ صورتحال پر لاگو کر سکتے ہیں۔

1۔ اس وقت کی مسلم طاقتوں اور موجودہ مسلم ممالک کی صورتحال آپس میں مماثلت رکھتی ہے۔ تیرہویں صدی عیسوی میں ایوبی، سلجوق اور عباسی سلطنتیں صلیبی سلطنتوں (انطاکیہ، کاونٹی آف ایڈیسہ، کاونٹی آف طرابلس اور یروشلم) اور منگولوں کے اثرو رسوخ کا شکار ہوتی جارہی تھیں یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آگیا کہ یہ مسلم ریاستیں کافر طاقتوں کی خدمت گزار ریاستیں بن گئیں۔ اُس وقت کی صورتحال اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ یہ ریاستیں کافر استعماریوں کے چنگل سے آزادی حاصل کریں اور آج بھی یہی حکم لاگو ہوتا ہے۔ پاکستان بھی اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہے کیونکہ اس کی اندرونی اور خارجہ پالیسی امریکا کنٹرول کرتا ہے۔ لہٰذا پاکستان کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ افواج پاکستان کے ساتھ مل کر اپنے ملک کو امریکی راج سے آزادی دلائیں۔

2۔ صلیبیوں نے خود کو شام کی سرزمین (موجودہ شام، اردن، فلسطین، لبنان اور قبرص) میں چار فارورڈ آپریٹنگ اڈوں یا چار ریاستوں تک محدود رکھا تھا اور کبھی شامی سرزمین میں بہت اندر تک گھسنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ چار ریاستیں مشرقی بحیرہ روم کے ساتھ موجود تھیں اور انہیں

یورپ سے مسلسل رسد (سپلائی) ملتی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ان میں سے کچھ صلیبی ریاستوں کو مقامی مسلم طاقتوں سے بھی مدد ملتی تھی جس کے باعث صلیبی ریاستوں کو شام کی سرزمین میں اپنے قدم جمانے میں مدد ملی۔ آج مغرب نے اسی حکمتِ عملی کو اپناتے ہوئے شام کی سرزمین میں ایک بیرونی اکائی، یعنی یہودی وجود کو قائم کیا۔ اس اکائی کو مغرب تحفظ فراہم کرتا ہے اور یہ اکائی صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتی ہے جب اسے علاقائی مسلم ریاستوں، مصر، اردن، شام اور دیگر مسلم ممالک کی معاونت حاصل ہو۔ تیرہویں صدی عیسوی میں مملوکوں نے صلیبی ریاستوں کی رسد کو کاٹنے کے لیے مصر کو ایک اڈے کے طور پر استعمال کیا اور بلا آخر الشام میں صلیبیوں کے اثر ورسوخ کو ختم کرنے میں کامیاب ہوئے۔

آج بھی اسی قسم کا عمل درکار ہے کیونکہ امن عمل ایک دھوکہ ہے جس کو ہدف بنا کر اس امت کو 70 سال سے ایک سراب کے پیچھے بھگا بھگا کر تھکایا جا رہا ہے۔ پاکستان کے مسلمانوں کو پاکستان کے حکمرانوں کی جانب سے یہودی وجود کے ساتھ مثبت تعلقات قائم کرنے کی تمام کوششوں کے خلاف زبردست مزاحمت اور فلسطین کو یہود کے قبضے سے آزادی دلانے کی کوششوں کی حمایت کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ پاکستان کے مسلمان لازمی طور پر پاکستان اور افغانستان میں قائم امریکی اڈوں کو ختم کریں جنہیں مشرف اور پھر بعد میں آنے والے حکمرانوں نے امریکیوں سے ملی بھگت کر کے قائم کیا۔

3۔ پانچویں صلیبی جنگ (1217 سے 1221) کے دوران کیکاوس اول کی سربراہی میں سلجوقوں نے ایوبیوں کے خلاف صلیبیوں سے اتحاد کر لیا تھا۔ اگرچہ ایوبی جیت گئے تھے لیکن مسلم دنیا کی

اندرونی تقسیم نے صلیبیوں کو مزید پچاس سال تک اس خطے میں رہنے کا موقع فراہم کر دیا۔ اسی طرح مسلم دنیا کی اندرونی تقسیم نے چنگیز خان کی قیادت میں منگولوں کو یہ موقع فراہم کیا کہ انہوں نے خوارزم کی سلطنت کو 1221 میں شکست دی جس کے نتیجے میں عباسی خلافت کمزور ہو گئی۔

ہماری آج کی صورتحال سے اس کی کچھ نسبت یہ ہے کہ کافر طاقتوں نے ایک کے بعد دوسری خلیجی جنگوں میں عراق کو تباہ کرنے کے لیے مسلم ریاستوں کو اپنے ساتھ ملایا۔ شام میں بشار الاسد کی مخالف اسلام پسند مزاحمت کو کچلنے کے لیے کافر طاقتوں نے مسلم ممالک کے ساتھ اتحاد بنایا۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو کافر طاقتوں نے ایجنٹ مسلمانوں اور بھارت کے ساتھ مل کر پاکستان کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا اور افغانستان پر حملہ کرکے قبضہ کرنے کے لیے ایساف (آئی ایس اے ایف) کے زیر نگرانی کئی مسلم ممالک کو اتحاد کا حصہ بنایا۔ یہ بہت ضروری ہے کہ امت اپنی تکلیف دہ تاریخ سے سبق حاصل کرے تاکہ آئندہ کافر طاقتوں کے خلاف ایک اکائی کے طور پر مضبوطی سے کھڑی ہو سکے۔ لہٰذا پاکستان کے مسلمانوں کو امت مسلمہ کے درمیان قائم کی گئی مصنوعی قومی سرحدوں کو ختم کرنے کی کوششوں میں کلیدی کردار ادا کرکے امت کو خلافت کے زیر سایہ یکجا کرنا چاہیے۔

4۔ ارطغرل اور اس کے بیٹے عثمان نے عثمانی ریاست قائم کرنے سے پہلے ترک قبائل اور مسلم طاقتوں میں موجود غداروں کو بے نقاب کرنے اور سزا دینے کے لیے انتھک محنت کی۔ پاکستان کے مسلمانوں کو بھی اپنے درمیان موجود غداروں خصوصاً سیاسی و فوجی قیادت میں موجود غداروں کو

مسترد کرنا چاہیے۔ ان غداروں کے جرائم اور ان کی جانب سے کافر طاقتوں سے اتحاد پر خاموشی اختیار کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

5۔ ارطغرل اور اس کا بیٹا عثمان بازنطینی قوتوں میں موجود کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرقی رومی سلطنت سے موجودہ ترکی کا علاقہ چھیننے میں کامیاب رہے تھے۔ کائی قبیلہ ایک عالمی ویژن رکھتا تھا اور اس کی قیادت کافر استعماری طاقتوں کے درمیان موجود اختلافات سے بہت اچھی طرح باخبر تھی اور انہوں نے مشرقی رومی سلطنت کو ختم کر کے اپنی ریاست کے قیام کے لیے ان اختلافات سے فائدہ اٹھایا۔ لہٰذا پاکستان کے مسلمانوں کے لیے اپنی طاقت کو پہچاننا، ایک عالمی نظر اختیار کرنا اور علاقائی اور بین الاقوامی کافر طاقتوں کی کمزوریوں اور طاقت کو سمجھنا بہت ضروری ہے
۔

مثال کے طور پر امریکا اور چین دونوں ہی خطے میں اپنی بالادستی کے قیام کے لیے پاکستان پر انحصار کرتے ہیں۔ امریکا پاکستان پر انحصار کرتا ہے کہ وہ افغانستان میں امریکی مفادات کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے افغان طالبان کی قیادت کو امریکا کے ساتھ امن مذاکرات پر مجبور کرے۔ اس کے علاوہ امریکا کشمیر میں جاری مزاحمتی تحریک کو بھڑکانے یا ٹھنڈا کرنے کے لیے پاکستان کی مدد پر انحصار کرتا ہے تاکہ بھارت مضبوطی کے ساتھ اس کے دائرہ اثر میں رہے۔ اسی طرح چین بھی بھارت کو قابو میں رکھنے کے لیے اور اسلامی تحریکوں کو افغانستان کی سرزمین کو استعمال کر کے سنکیانگ میں عدم استحکام پیدا کرنے سے روکنے کیلئے پاکستان پر انحصار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ سی پیک کی تکمیل کے لیے چین پاکستان کی معاونت پر انحصار کرتا ہے تاکہ قیمتی اشیاء اور خام مال (جس

میں خام تیل بھی شامل ہے) گوادر سے کاشی تک پہنچائی جاسکیں تا کہ ابنائے ملاکا میں موجود امریکی بحریہ کے خطرے سے اپنی رسد کو محفوظ بنا سکے۔

6۔ صلیبیوں نے 1204 میں قسطنطنیہ کو تاراج کیا اور 57 سال تک اس پر قابض رہے۔ انہوں نے اپنے عیسائی ہم مذہبوں کے خلاف نا قابل بیان بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا۔ بازنطینی اس علاقے کو اس وقت واپس لینے میں کامیاب ہوئے جب مسلمانوں کی مملوک سلطنت نے شام کی سرزمین سے صلیبی ریاستوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس وجہ سے بھی یورپ اور قسطنطنیہ کے درمیان تلخی پیدا ہوئی جس کو سلطان محمد فاتح نے دو سو سال بعد اپنے حق میں استعمال کر کے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ اسی طرح آج یورپ اور امریکا اور اسی طرح امریکا اور چین کے درمیان بھی گہری بداعتمادی موجود ہے جس کی جڑیں تو انیسویں صدی کی افیون کی جنگوں Opium Wars کے وقت سے ہیں۔ بجائے اس کے کہ پاکستان امریکا یا چین کا اتحادی بنے، جیسے پاکستان کے موجودہ حکمرانوں کی سوچ ہے، پاکستان اپنی صلاحیت کو دو کافر طاقتوں کے درمیان موجود تناؤ سے فائدہ اٹھانے کے لیے اور اسلام کی بالادستی قائم کرنے کیلئے استعمال کر سکتا ہے۔

7۔ یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ اگر پاکستان خلافت میں تبدیل ہو گیا تو وہ بڑی طاقتوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ کیا مملوک ریاست نے تیرہویں صدی کی دو بڑی طاقتوں، صلیبیوں اور منگولوں، کا ایک ساتھ مقابلہ نہیں کیا تھا؟ کیا مملوکوں نے شام کی سرزمین میں مسلمانوں کو متحد کر کے بازنطینی افواج کو واپس ان کی بیرکوں میں جانے پر مجبور نہیں کر دیا تھا؟ ایک ایٹمی پاکستان اس بات کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ خلافت کی بالادستی کو یقینی بنا سکے لیکن اس سے پہلے پاکستان کے مسلمانوں کو

اس کے قیام کے لیے سخت محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی امت کو ارطغرل جیسے کئی رہنما ملے جنہوں نے کفر کی طاقتوں کے شیطانی منصوبوں کو ناکام بناتے ہوئے صرف اسلام کی بالادستی قائم کرنے کی کوشش کی۔ ارطغرل کے دور میں ہی، دہلی سلطنت کے حکمران علاؤالدین خلجی نے 1297 سے 1306 عیسوی کے درمیان منگول لشکروں کو پانچ بار شکست دی، برصغیر کو منگولوں کے شر سے محفوظ رکھا اور اسے مضبوطی سے اسلام کا قلعہ بنائے رکھا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے دورِ حکمرانی (1658-1707) میں منگول اور تبت کے اتحاد کو کشمیر کے علاقے لداخ میں شکست دی گئی۔ اورنگ زیب نے پورے برصغیر کو اسلام کی حکمرانی میں لانے کے لیے سخت محنت کی اور مغل سلطنت کی معیشت، چین کی معیشت کو پیچھے چھوڑ کر دنیا کے سب سے بڑی معیشت بن گئی۔ اور جب مغل سلطنت کا زوال ہوا تو ٹیپو سلطان جیسے کئی ہیرو پیدا ہوئے جنہوں نے برطانوی استعماری راج کے خلاف اسلام کے تقدس کا دفاع کیا۔

پاکستان کے مسلمانوں کی تاریخ ایسے اسلامی ہیروز سے بھری پڑی ہے جنہوں نے برصغیر میں کافر طاقتوں کے خلاف اس امت کا دفاع کر کے دکھایا۔ پاکستان کے مسلمانوں کے لیے وقت آگیا ہے کہ وہ اپنی عظمت رفتہ کی بحالی کی خواہش کی تکمیل کریں اور ارطغرل، علاؤالدین، اورنگزیب اور ٹیپو سلطان کی پیروی شروع کریں۔ اب ایک اور ریکارڈ توڑنے کی باری پاکستان کے مسلمانوں کی ہے۔ مسلم دنیا میں خلافت ختم ہوئے 96 سال ہو چکے ہیں اور پاکستان کے مسلمانوں کے پاس ایک منفرد موقع ہے کہ وہ نبوت کے نقش قدم پر خلافت قائم کر کے صحابہؓ کی تاریخ دہرا دیں۔ امام احمد

نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، » **ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةٌ عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ**« "۔۔۔اور پھر نبوت کے نقش قدم پر خلافت ہو گی"۔

پاکستان کے مسلمانوں کو اس مقصد کو دوسرے تمام کاموں پر ترجیح دینی چاہیے یہاں تک کہ اپنی زندگیوں سے بھی بڑھ کر اس مقصد کو اہمیت دینی چاہیے۔ ﴿**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُواْ فِي سَبِيلِ اللهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلاَّ قَلِيلٌ**﴾ "اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو تو زمین پر گرے جاتے ہو کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے ہو دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے"۔(التوبہ 38)۔

وہ لوگ جو اس کام کیلئے کوشش کریں گے اور اسے پورا کریں گے، انھیں اس زمیں پر اور جنتوں میں یاد رکھا جائے گا اور وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا حاصل کریں گے۔

حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کے لیے عبدالمجید بھٹی نے تحریر کیا

ختم شد

اُس لشکر کی صفات کہ اللہ کی طرف سے جس کی مدد کی گئی -غزوۂ بدر کی روشنی میں

حضرت معاذ بن رفاعہ بن رافع الزرقی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں جو اصحابِ بدر میں سے تھے: «جاء جبرئیل الی النبی فقال: معا تعدون اهل بدر فیکم؟ قال: من افضل المسلمین او کلمة نحوها۔ قال: وکذلک من شهد بدرا من الملائکة» " حضرت جبرائیلؑ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اہلِ بدر کو آپ اپنے یہاں کیسا سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں"۔ یا آپ ﷺ نے اس طرح کوئی اور الفاظ ارشاد فرمائے۔ جبرائیلؑ نے عرض کی: اسی طرح کا مقام ہے فرشتوں میں ان فرشتوں کا جنہوں نے جنگِ بدر میں شرکت کی۔ (صحیح بخاری)

غزوۂ بدر 17 رمضان 2 ہجری میں واقعہ ہوا، اس کے نتائج کفار پر بجلی بن کر نازل ہوئے اور زلزلے کی طرح برپا ہوئے، جس کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان فکری اور مادی جدوجہد کے رخ پر سب سے بڑا اثر پڑا۔ 15 اسلام کے آغاز کے 15 سالوں بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی طاقت بڑھ گئی اور اسلام کی آواز بلند ہو گئی اور ان کے دین کے باعث اور ان کی جانوں کی قربانی کی بدولت ان کے وزن اور رعب و دبدبے میں اضافہ ہو گیا۔ اس سے پہلے کفار نے مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کو دبا رکھا تھا۔ لیکن اب قریش کا دبدبہ ٹوٹ گیا، قریش اور اس کے اتحادی مسلمانوں کے لشکر کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہو گئے۔ یہ لشکر ابو سفیان کے قافلے کو روکنے کے لیے نکلا تھا جو شام سے آرہا

تھا، نہ کہ کسی باقاعدہ حربی سے جنگ کیلئے۔ مگر اللہ کا ارادہ ظاہر ہوا جو چاہتا تھا کہ قریش کے ظلم و فساد کو روکے، اور مسلمانوں اور قریش کے درمیان ایک حقیقی معرکہ اور باقاعدہ فوجی تصادم وقوع پذیر ہو، باوجود اس کے کہ دونوں فریقوں میں تعداد کے اعتبار سے بہت فرق تھا۔ ہم روشنی ڈالیں گے اس لشکر کی صفات پر جس کی اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور یہاں ان اسباب کا بھی ذکر کریں گے جس کی وجہ سے مسلمان غزوۂ بدر میں مدد کے مستحق ہوئے۔ ان میں سے دو حقائق کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

اوّل: بیشک مدد اللہ کا احسان ہے اور وہ احسان کرتا ہے اپنے بندوں پر اپنی مدد کے ذریعے کہ جو اس کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور مدد صرف اللہ ہی طرف سے ہو سکتی ہے، مسلمانوں کی تعداد کتنی ہی کیوں نہ ہو، اگر اللہ کی مدد ساتھ نہ ہو تو یہ تعداد ان کے کام نہیں آسکتی۔ اللہ فرماتا ہے: **وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلاَّ بُشْرَى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلاَّ مِنْ عِندِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ** "ہم نے اسے نہیں بنایا مگر ایک خوشخبری تاکہ تمھارے دل مطمئن ہو جائیں اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے بیشک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے"۔

لہٰذا مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس حقیقت پر ایمان لے کر آئیں کہ حقیقی مدد صرف اور صرف اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے اور یہ حقیقت ان عقائد میں سے ہے جن پر ایمان لانا فرض ہے اور مسلمان جو تیاری کرتے ہیں اور منصوبہ بندی کرتے تو وہ لازمی امر ہے مگر یہ ایک مختلف تشریعی معاملہ ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ وہ انسان ہونے کے ناطے اپنی استطاعت کے مطابق مدد کے اسباب کو اختیار کریں۔

مگر فتح کیلئے اسباب پر اعتماد اور انحصار کرنا درست نہیں، اللہ فرماتا ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ** "اے ایمان والو! اللہ (کے دین) کی مدد کرو، وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا"۔

تو مدد صرف اور صرف اللہ ہی کی ہے اور یہ حقائق میں سے ہے، اور مسلمانوں کا نصر (مدد) کے اسباب کو اختیار کرنا حقیقت میں اللہ کی اطاعت کرنا ہے اور ان اسباب کو اختیار کرنا شرط ہے کہ اس کے بغیر نصر حاصل نہیں ہو سکتی، البتہ اسباب کے ہونے سے فتح کا ہونا لازم نہیں ہے۔

دوم: وہ مدد جو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں نازل کی وہ صرف اہلِ بدر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو سنت ہے، ایسی سنت جو نہ تبدیل ہوتی ہے اور نہ متغیر ہوتی ہے۔ تو ہر اسلامی لشکر جس میں بدر کے لشکر کی صفات پائی جائیں گی، اللہ پر حق ہے کہ ہر زماں و مکاں میں اس کی مدد کرے جیسا کہ اللہ نے اہلِ بدر پر اپنی مدد نازل کی۔ بلاشبہ اللہ نے ماضی میں کئی جگہوں پر مسلمانوں کی مدد کی، بدر میں بھی اور بدر کے علاوہ بھی، اور ایسے معرکوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم ان صفات پر غور کریں کہ جن کی وجہ سے وہ لوگ مدد کے مستحق ٹھہرے۔

بدر کا لشکر اور اسلامی ریاست:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں اسلامی ریاست کو قائم کیا اور مکہ سے آپ ﷺ اور مسلمانوں کا ہجرت کرنا ایک نئے دور کا آغاز تھا، جس میں اسلام اور کفر کے مابین تصادم کی نوعیت کا تعین ہوا ۔ مدینہ ہجرت کے بعد یہ جدوجہد سیاسی اور فکری دائرے سے عسکری جدوجہد کی طرف منتقل ہو گئی، جس کا مقصد تمام کفر کو اسلام کے تابع لانا تھا، رضاکارانہ طور پر یا بزور شمشیر لوگوں کو بندوں

کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے کیلئے اور باقی ادیان کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لانے کے لیے۔ پس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھنے کے فوراً بعد اس کی ابتداء ہوگئی۔ اسلامی ریاست مسلمانوں کا وہ سیاسی ڈھانچہ ہے جس کے ذریعے داخلی طور پر اسلام کے احکامات کے مطابق معاملات کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور خارجی طور پر جہاد کے ذریعے اسلامی دعوت کو تمام عالم تک پہنچایا جاتا ہے۔ اسلامی دعوت کو تمام عالم تک لے جانے کا شرعی طریقہ جہاد ہے اور یہ اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کا حصہ ہے اور جہاد فوجی طاقت، فوج اور اس ریاست کے بغیر کامل طور پر نہیں ہو سکتا، جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کیلئے لشکروں اور فوجیوں کو بھیجتی ہے، اس لیے کسی بھی گروہ کو فوج نہیں کہا جا سکتا اور اس میں لڑائی کے لیے درکار عسکری صفات نہیں پائی جاتیں جب تک یہ فوج کسی سیاسی فیصلے، ریاست اور خلیفہ کے فیصلے کے ذریعے قائم نہ ہو اور یہ فوج جنگ اور امن کے فیصلے کیلئے اس شخص کی پابند ہوتی ہے جس کے ہاتھ میں اقتدار ہوتا ہے، یعنی مسلمانوں کا خلیفہ۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الہ الا اللّٰہ وان محمدا رسول اللّٰہ (صحیح بخاری) "مجھے حکم دیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک وہ گواہی دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ نے حاکم ہونے کے ناطے اور ریاست کے سربراہ ہونے کے ناطے ابوسفیان کے قافلے کو روکنے کا فیصلہ کیا اور قافلے کے تعاقب کو لڑائی میں تبدیل کرنے اور قریش کے ساتھ فوجی محاذ آرائی کے بعد جنگ میں جانے کا فیصلہ بھی ریاست ہی نے کیا۔ ریاست ہی ہے جو فوجوں کو لڑائی کیلئے نکالتی ہے تاکہ وہ اپنا مشن سر

انجام دیں ان اصولوں کے مطابق جو انہیں بتائے گئے ہوتے ہیں۔ ابنِ عمر سے روایت ہے کہ **«بَعَثَنا رَسولُ اللَّهِ ﷺ فِي سَرِيَّةٍ، فَحاصَ النَّاسُ حيصَةً، فَقَدِمنا المدِينَةَ فَاختَبَأْنا بِها، وقُلنا: هَلَكنا، ثُمَّ أَتَينا رَسولَ اللَّهِ ﷺ فَقُلنا: يا رَسولَ اللَّه، نَحنُ الفَرَّارونَ، قال:» بَل أَنتُمُ العَكَّارونَ، وَأَنا فِئَتُكُم»** (سنن ترمذی، حدیث حسن)"اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سریہ میں بھیجا، تو لوگ وہاں سے فرار ہوئے اور مدینہ میں آچھپے اور ہم نے کہا کہ ہم تو (اس گناہ کی وجہ سے) ہلاک ہو گئے۔ تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہم تو فرار ہونے والوں میں سے ہو گئے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا تم تو عکارون ہو اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں"۔ عکار اس کو کہتے ہیں جو اپنے امام سے مدد کیلئے آئے نہ کہ اس کا ارادہ جنگ سے فرار ہونے کا ہو۔ آج مسلمانوں میں ایسے لشکر نہیں جیسا کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کا لشکر تھا باوجود یہ کہ آج ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، مسلمانوں کے لشکر تو موجود ہیں لاکھوں میں لیکن وہ امام جو کہ ڈھال ہوتا ہے یعنی مسلمانوں کا خلیفہ وہ کہاں ہے؟ جو مسلمانوں کے شہروں پر قبضہ کرنے والے کافروں سے لڑنے کیلئے ان لشکروں کو حرکت میں لائے۔ اسلامی خلافت کی عدم موجودگی میں مسلم لشکروں کو بیرکوں میں روکا گیا ہے، اس کے سپاہی اور افسر بس مہینے کے آخر میں اپنی تنخواہیں وصول کرتے ہیں، بجائے یہ کہ ان کے پاؤں فلسطین، شام اور روھنگیا کے مسلمانوں کی مدد کرتے ہوئے اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوں۔ بلکہ استعماری کافروں نے اپنے کٹ پتلی حکمرانوں کے ذریعے ان لشکروں کو فتنے میں ڈال رکھا ہے، یہ افواج ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہیں اور کئی مرتبہ مسلمانوں کے بیٹوں کو قتل کرتی ہیں، جیسا کہ مصر میں التحریر چوک Tahrir Square اور رابعہ العدویہ چوک میں ہوا اور شام میں کہ جہاں بشار کی بعث پارٹی کے کرائے کے قاتلوں اور ایرانی ملیشیا نے شام کے مسلمانوں پر ظلم ڈھائے، وہ مسلمان کہ جو مجرم

بعث حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔۔۔ان غدار حکمرانوں نے مسلم افواج کو دہائیوں سے بیرکوں میں بند کر رکھا ہے جبکہ وہ ان افواج کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنی بندوقوں کا رخ یہودیوں کی طرف کریں، وہ یہودی جو ہماری ارضِ مقدس فلسطین پر قابض ہے۔

فیصلہ کن قیادت اور محتاط منصوبہ بندی:

ابوسفیان کے ایک قافلے کے زندہ بچ جانے کے بعد اور قریش کے ابوسفیان کے قافلے کی مدد کے لیے نکلنے کے بعد یہ بات حضور اکرم ﷺ کے لیے لازمی ہوگئی کہ وہ کفار کا سامنا کریں، تاہم آپ ﷺ باقاعدہ جنگ کیلئے نہیں نکلے تھے اور نہ ہی اپنے ساتھ زیادہ مجاہدین لے کر آئے تھے اور ریاست کے صدر مقام مدینہ منورہ سے دوری کی وجہ سے مزید تعداد طلب کرنے کا امکان مشکل ہو تھا۔ صورت حال نازک تھی ،اگر مسلمان قریش کے سامنے سے پلٹ جاتے تو قریش کہتے محمد اوراس کے ساتھی قریش کا سامنا کرنے سے فرار ہوگئے ہیں اوراس میں مسلمانوں کے وقار اوران کی ابھرتی ہوئی ریاست کی بے عزتی تھی بلکہ اس میں خود مسلمانوں کے دلوں میں بھی مسلمانوں کے نظریے کی طاقت پر سوال اٹھتے اور دوسری طرف قریش خوش ہو جاتے اور پھول کر اپنے لوگوں میں واپس لوٹتے اور اپنی تلواروں سے اپنے بتوں کے سامنے کھیل تماشے کرتے اور ان کے شاعروں مسلمانوں کے خلاف اپنے اشعار اور فتح کے گیت گاتے۔ تمام عرب، یہود اور منافقین نے کہنا تھا کہ محمد ﷺ قریش کا سامنا کرنے سے ڈر کر اپنے صحابہ کے ہمراہ پلٹ گئے جہاں سے وہ آئے تھے۔رسول اللہ ﷺ یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے "لوگوں میری طرف توجہ دو"توابو بکر صدیقؓ اور مقداد بن اسودؓ نے جواب دیا، تورسول اللہ ﷺ نے دوبارہ فرمایا"لوگوں میری طرف

توجہ دو" گویا کہ حضور ﷺ کی اس بات سے انصار مراد تھے، وہ انصار جنہوں نے عقبہ کے دن اس بات پر بیعت کی تھی کہ آپ ﷺ کی ان چیزوں کے ذریعے حفاظت کریں گے جن سے وہ اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب انصار نے محسوس کیا کہ ان کی رائے معلوم کرنی ہے توسعد بن معاذؓ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کے رسول ﷺ کیا آپ ہماری رائے جاننا چاہ رہے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں" تو حضرت سعد نے فرمایا بلاشبہ ہم آپ پر ایمان لے کر آئے اور عہد کیا کہ ہم آپ کی اطاعت کریں گے تو بتائیں کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ کا کیا ارادہ ہے، ہم آپ کے ساتھ ہیں، اگر آپ ہمیں سمندر میں جانے کا حکم دیں گے تو ہم آپ کے ساتھ اس میں بھی اتر جائیں گے اور ہمارا کوئی بھی آدمی پیچھے نہ رہے گا اور ہم ناپسند نہیں کرتے کہ کل اپنے دشمن سے ملیں۔ حضرت سعدؓ نے اپنی بات مکمل نہیں کی تھی کہ آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے روشن ہو گیا اور فرمایا" چلو اور خوشخبری سنو کہ اللہ نے مجھے دو گروہ میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا ہے"۔ اس انداز سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے مسلمانوں کی ہمت کو بلند کر دیا۔ رسول اللہ نے بطورِ قائد ابو بکرؓ، مقدادؓ اور سعد بن معاذؓ کے ذریعے انصار اور مہاجرین کی رضامندی اور خوشی سے لڑنے کا فیصلہ حاصل کیا۔ اب اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ضروری نکات پر توجہ مرکوز کی، دشمن کے مقام، تعداد اور فوج کے پڑاؤ اور معرکہ کی جگہ کا تعین اور انٹیلی جنس معلومات کے ذریعے جنگی منصوبہ تیار کیا۔

ابنِ اسحاق روایت کرتے ہیں کہ محمد بن یحییٰ ابن حبان نے ہم سے روایت کیا: رسول اللہ ﷺ ایک بوڑھے عرب کے پاس پہنچے اور ان سے قریش کے متعلق دریافت کیا، اور یہ کہ محمد اور اس

کے ساتھی اس وقت کہاں ہیں اور ان کے متعلق کیا خبر ہے۔ اس بوڑھے شخص نے جواب دیا: میں اس وقت تک تمہیں مطلع نہیں کروں گا جب تک تم دونوں مجھے اپنے متعلق مطلع نہیں کروگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہمیں خبر دو ہم تمہیں اپنی خبر دیں گے۔ اس نے کہا: کیا یہ اس کے بدلے میں ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس بوڑھے شخص نے کہا: میں نے سنا ہے کہ محمد اور اس کے ساتھی فلاں اور فلاں دن کو روانہ ہوئے۔ اگر یہ بات درست ہے تو انہیں آج فلاں اور فلاں مقام پر ہونا چاہئے (اور اس نے اس مقام کی طرف اشارہ کیا جہاں رسول اللہ ﷺ موجود تھے)۔ اور میں نے سنا ہے قریش فلاں اور فلاں دن کو روانہ ہوئے۔ اگر یہ درست ہے تو آج نہیں اِس اور اِس مقام پر ہونا چاہئے (اور اس کی مراد وہ جگہ تھی جہاں وہ واقعتاً موجود تھے)۔ جب اس نے اپنی بات مکمل کرلی تو اس نے کہا: اب تم مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا: ہم پانی سے ہیں۔ اور یہ کہہ کر روانہ ہو گئے۔۔۔ ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: میں بنو سلمہ کے ایک آدمی سے روایت کرتا ہوں کہ خباب بن منذر الجموح نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: کیا اس جگہ کے متعلق اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ (لڑائی کے لیے لشکر کا) پڑاؤ یہاں ڈالیں ،اس طرح کہ آپ نہ اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں، یا پھر یہ رائے اور جنگی حکمتِ عملی کی بنا پر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ رائے اور جنگی حکمت عملی کی بنا پر ہے۔ خباب بن منذر نے کہاَ اے اللہ کے رسول ! یہ رکنے کی جگہ نہیں۔ اپنے لوگوں کے ساتھ آگے بڑھیں یہاں تک کہ ہم دشمن کے نزدیک ترین پانی کے پاس پہنچ جائیں اور وہاں پڑاؤ ڈالیں اور پھر ہم اس سے پرے کنوؤں کو ناکارہ کر دیں اور ایک حوض بنالیں کہ جس سے ہم وافر پانی پی سکیں اور پھر ہم دشمن سے لڑیں، اس طور پر کہ ہم پانی پی سکیں گے جبکہ ہمارا دشمن پانی کے بغیر ہو گا۔ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے درست رائے دی۔۔۔ ابنِ اسحاق نے روایت کیا کہ عبد اللہ بن ابو بکرؓ نے بیان کیا کہ سعد بن معاذؓ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ کے لیے کھجور کی شاخوں سے ایک چھپر بنا دیتے ہیں کہ جہاں آپ قیام کریں اور آپ کا اونٹ تیار موجود ہو۔ پھر ہم دشمن سے لڑیں۔ اگر اللہ نے فتح عطا کی تو یہ وہ ہے جو ہماری چاہت ہے، اور اگر نتیجہ ہمارے حق میں برا نکلا تو آپ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر ہمارے ان لوگوں سے جا ملیں جو (مدینہ میں) پیچھے رہ گئے ہیں۔ کیونکہ اے اللہ کے رسول! وہ آپ سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی ہم کرتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ آپ لڑنے جا رہے ہیں تو وہ پیچھے نہ رہتے۔ اللہ ان کے ذریعے آپ کا تحفظ کرے گا۔ وہ آپ کو امور میں مشورہ دیں گے اور آپ کے ساتھ مل کر قتال کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف کی اور ان کے حق میں دعا فرمائی (سیرۃ ابنِ ہشام جلد اول صفحہ 616-621)۔

پھر آپ ﷺ نے اپنے لشکر کے صفوں کو درست کرنا اور ترتیب دینا شروع کیا۔ محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوں کو سیدھا کیا اور ان صفوں کو گنا اور ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس کے ذریعے وہ لشکر کو برابر کر رہے تھے تو جب وہ سواد بن غزی کے پاس سے گزرے جو کہ بنی عدی بن نجار کے حلیف تھے، وہ سب سے باہر تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیٹ پر چھڑی ٹھوکا لگایا اور فرمایا کہ "سیدھے ہو جاؤ، اے سواد بن غزی" (تاریخ طبری ج۔2 ص 446)۔ رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے آخری حصے پر قیس بن ابی صعصعہ اور عمر بن زید کو مقرر کیا۔ (المتاع الاسماع، اص 84)۔ غزوۂ بدر کی منصوبہ بندی کے مقابلے میں آج ہم مسلمانوں کی حقیقت کو 180 ڈگری پر دیکھتے ہیں کیونکہ ان کے پاس کوئی پختہ قیادت، کوئی فوجی منصوبہ بندی نہیں اور کوئی

ایسا نہیں جو اس کے لیے عرق ریزی کرے۔ مسلمانوں کے حکمران خائن ہیں جو مسلمانوں کو اور ان کے ملکوں کو استعماری کافروں کے حوالے کیے ہوئے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کیسے خائن حافظ الاسد نے جنگ کے دوران قنیطرہ پر یہود کے قبضے کا اعلان کیا اس سے قبل کہ یہود اس پر قبضہ کرتے۔ کیسے اردن کے شاہ حسین نے یہودیوں سے مقابلے پر اپنی فوجوں کو فرار کر دیا اور وہ یہود کی راہ سے ایک بھی میزائل فائر کیے بغیر ہٹ گئے۔ اور کیسے مصر کے انور سادات نے مسلمانوں سے غداری کی اور انہیں جنگ روکنے کا حکم دیا اگرچہ وہ بارلیو لائن Bar Lev Line کو عبور کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے اور نہر سویز کو بھی عبور کر چکے تھے۔ اور زیادہ دور کی بات نہیں اردگان کی قیادت کو ہی دیکھ لیں جس نے شام میں مسلمانوں کی پیٹ میں چھرا گھونپا اور آپریشن فرات شیلڈ کو شروع کر کے شام کی حکومت مدد کی کہ وہ الیپو Aleppo پر کنٹرول حاصل کر لے۔ حکمرانوں کی خیانتوں کی فہرست طویل سے طویل تر ہو رہی ہے، لیکن بہر حال ظلم کی رات جتنی مرضی لمبی ہو مگر نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت کی صبح ضرور طلوع ہو گی، جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے فکر مند ہو۔

بدر کے لشکر کی جہادی ثقافت:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَرِّضِ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ عَلَى ٱلۡقِتَالِۚ**

"اے نبی ﷺ مسلمانوں کو قتال پر ابھاریئے"۔ تحریض کے لغوی معنی ہیں بہت زیادہ ابھارنا (فتح القدیر، جلد 2 صفحہ 370)۔ انس بن مالکؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس جنت کی طرف بڑھو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جتنی ہے۔ عمیر بن حمام الانصاری نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ایسی جنت کہ جس کی چوڑائی آسمان اور زمین جتنی ہے؟! آپ ﷺ نے

فرمایا: ہاں، تو انہوں نے: واہ واہ۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: تمھیں کس چیز نے یہ کہنے پر ابھارا ۔ عمیرؓ نے کہا کہ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! بس ایک اُمید ہے کہ کاش میں اس کے مکینوں میں سے ہوتا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تم انہی میں سے ہو۔ انہوں نے اپنی کھجوریں کھاتے ہوئے فرمایا: اگر میں زندہ رہوں اور اپنی کھجوروں کو ختم کروں تو یہ بہت لمبی زندگی ہے۔ پس انہوں نے اپنی کھجوریں پھینک دیں اور جنگ میں کود پڑے، یہاں تک کہ وہ شہید ہوگئے۔ یہ نصوص دلالت کرتی ہیں کہ فوج کو جہادی ثقافت دنیا ایک فرض ہے اور اسے فوجی علوم کا حصہ ہونا چاہیئے اور جہاد اسلام کی دعوت کو دوسری اُمتّوں لے جانے کا ذریعہ ہے۔ بدر کا لشکر اس ثقافت کے اثر کا عملی نمونہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قتال کے لئے ابھارا اور آپ ﷺ نے دشمن کے خلاف صبر اور ثابت قدم رکھنے کی تلقین کی اور صحابہ کو جہاد کے اجر کے متعلق بتایا اور یہ کہ اللہ کے راستے میں شہادت کا درجہ کیا ہے۔ اور مسلمان اس حال میں میدانِ جنگ میں اترے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے جنت کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ اور وہ شہادت کے حصول کے لیے اس طرح صفیں بنا رہے تھے جیسے نماز کے لیے صفیں بنائی جاتی ہیں۔ مشکلات اور سختیاں ان کی نظر میں آسان ہو گئیں اور وہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر دشمن کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھے۔ دیکھیں کس طرح عمیر بن حمامؓ نے اپنی کھجوریں پھینک دیں اور جنگ میں کود گئے اور کفار سے لڑتے ہوئے شہادت کو گلے لگالیا۔ دیکھیں کس طرح معوِذ بن ارفع اور معاذ بن عمرو بن جموح ابو جہل کی طرف لپکے اور اسے اس کے گھوڑے سے نیچے گرا دیا اگرچہ بنو مخزوم درختوں کے جھنڈ کی طرح اسے گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ اور دونوں لڑکوں میں سے ایک نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارے جسم اس کے جسم سے الگ نہیں ہوں گے جب تک کہ ہمارے اور اس کے انجام فیصلہ نہ ہو جائے۔

اس کے بر عکس عرب لشکروں کی ثقافت ، کہ جو 1967 میں میں یہودیوں سے ہار گئے تھے، جہادی جنگی ثقافت نہیں تھی۔ بلکہ وہ ایک قومی یا وطنی ثقافت تھی جو دشمن کی قوت وطاقت کے اثر کو کم کرنے کی بجائے اسے بڑھاوا دیتی ہے۔ یہ وہ وجہ تھی کہ زیادہ تر عرب فوجی ایک متزلزل ہمت وارادے کے ساتھ اپنے دشمن سے لڑنے کے لیے اترے اور وہ چند دن بھی یہودی فوج کے سامنے ٹِک نہ سکے، اس جنگ کے ڈرامے کے دوران کہ جو رچایا گیا تھا، کہ جس کے نتیجے میں انہوں نے شرم اور ذلت کے ساتھ فلسطین کی بابرکت سرزمین کو یہودی وجود کے حوالے کر دیا۔

آج دہشت گردی اور اسلام کے خلاف دہشت گردی کا پروپیگنڈہ مسلم افواج کی جنگی ثقافت میں سب سے نمایاں ہے جس نے ان افواج کو ہیجان میں مبتلا کر دیا، مسلمانوں نے مسلمانوں کو قتل کیا، ان کے سادات جان سے ہاتھ دھو بیٹھے بجائے یہ کہ یہ سب مسلم افواج امریکہ، رشیا اور یہودی وجود کا سامنے کرنے کے لیے ایک ہی صف میں کھڑیں ہوتیں۔ یوں جہاد فی سبیل اللہ معطل ہو گیا ، فلسطین ہاتھ سے نکل گیا، افغانستان مقبوضہ ہو گیا، مشرقی ترکستان اور کریمیا پر قبضہ ہو گیا۔ ہمارے علاقے، ہماری فضا اور ہمارے سمندر استعماری کفار کی تفریح گاہ بنے ہوئے ہیں جبکہ مسلمانوں کی افواج ان کی نقل و حرکت کو بس دیکھتی ہیں اور ان کے ظلم و جارحیت کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتیں بلکہ ذلت و رسوائی کا یہ عالم ہے کہ وہ انہیں جارح دشمن ممالک کی افواج کے ساتھ جنگی مشقیں کرتی ہیں، اور یمن، شام، عراق اور افغانستان میں مسلمانوں کے قتل کے حکم کو نافذ کرتی ہیں۔

بدر کی آرمی اور اسلامی عقیدہ:

اس اسلامی برادری کی طرح جو مدینہ میں اسلامی عقیدہ اور ثقافت کی بنیاد پر تشکیل پائی تھی، بدر کی فوج بھی اسلامی عقیدہ پر تشکیل پائی تھی یہ فوج مہاجرین اور انصار، اوس و خزرج کے لوگوں پر مشتمل تھیں لیکن اس فوج میں سب برابر تھے، کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں تھی سوائے تقویٰ کی بنیاد پر اور یہ سب قومیت کو پیچھے چھوڑ کر ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : **وَإِن يُرِيدُوٓاْ أَن يَخۡدَعُوكَ فَإِنَّ حَسۡبَكَ ٱللَّهُۚ هُوَ ٱلَّذِيٓ أَيَّدَكَ بِنَصۡرِهِۦ وَبِٱلۡمُؤۡمِنِينَ ٦٢ وَأَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوبِهِمۡۚ لَوۡ أَنفَقۡتَ مَا فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعٗا مَّآ أَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوبِهِمۡ وَلَٰكِنَّ ٱللَّهَ أَلَّفَ بَيۡنَهُمۡۚ إِنَّهُۥ عَزِيزٌ حَكِيمٞ** سورۃ الانفال 62-63)، "اگر وہ آپ ﷺ سے خیانت کا ارادہ کریں تو اللہ آپ کیلئے کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے آپ کی تائید کی۔ ان کے دلوں میں الفت ڈال دی، اگر آپ خرچ کرتے تب بھی آپ ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی بیشک وہ زبردست حکمت والا ہے"۔ یہاں تک مہاجرین اپنا نسب تک بھول گئے مسلمانوں کے مولا اور غلام قریش کی تباہ کاریوں کے خلاف جنگ میں آگے بڑھے ان کے تلواریں اللہ کے دشمن کو مارنے میں لگ گئیں، کفار سے قتال کرنے کیلئے وہ ایک صف میں جمع ہو گئے یہاں تک ان کے سامنے کوئی اپنا ہی کیوں نہ ہو۔ ابن عساکر نے ابنِ سرین سے روایت کیا ہے عبد الرحمٰن بن ابو بکر بدر کے دن مشرکین کے ساتھ تھے، تو جب وہ اسلام لائے انہوں نے اپنے والد سے کہا آپ بدر کے دن میرے سامنے آگئے تھے پھر میں نے آپ کو چھوڑ دیا اور آپ کو نہیں مارا۔ تو ابو بکرؓ نے فرمایا اگر تم میرے سامنے آتے تو میں تمھیں نہیں چھوڑتا اور اللہ کا قول

ہے:**لَّا تَجِدُ قَوۡمٗا يُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِ يُوَآدُّونَ مَنۡ حَآدَّ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَوۡ كَانُوٓاْ ءَابَآءَهُمۡ أَوۡ أَبۡنَآءَهُمۡ أَوۡ إِخۡوَٰنَهُمۡ أَوۡ عَشِيرَتَهُمۡۚ** "تم نہیں پاؤ گے قوم کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوست بنائیں ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی مول لی اگرچہ وہ ان کے آباء ہی کیوں نہ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے قبیلے والے "سورۃ مجادلہ آیت 22۔ امام قرطبی کہتے ہیں کہ عبد اللہ ابنِ مسعود نے فرمایا یہ آیت حضرت ابو عبید بن جراحؓ کے بارے میں نازل ہوئی تھی جنہوں نے اپنے والد عبد اللہ بن جراح کو اُحد یا بدر میں قتل کیا تھا۔ ابو عزیر بن عمیر بن ہشام جو حضرت مصعب بن عمیر کے بھائی تھے، بدر کے دن مشرک قیدیوں میں سے تھے۔ ابو عمیر بیان کرتے ہیں: میرا بھائی میرے پاس سے گزرا جب انصار کے ایک شخص نے مجھے قیدی بنالیا تھا۔ اور میرے بھائی نے کہا: اس کے ہاتھ کے بندھن سخت کرو، اس کی ماں بہت مالدار ہے وہ اس کے بدلے تمہیں بہت کچھ دے گی! (سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ 645)۔ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے: کچھ اہلِ علم نے مجھے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:**يَا أَهْلَ الْقَلِيبِ، بِئْسَ عَشِيرَةُ النَّبِيِّ كُنْتُمْ لِنَبِيِّكُمْ، كَذَّبْتُمُونِي وَصَدَّقَنِي النَّاسُ، وَأَخْرَجْتُمُونِي وَآوَانِي النَّاسُ، وَقَاتَلْتُمُونِي وَنَصَرَنِي النَّاسُ...** "اے قلیب کے لوگو! کتنے برے لوگ ہو تم، اے نبی کے خاندان والو۔ تم نے مجھے جھٹلایا جبکہ اور لوگوں نے میری تصدیق کی اور مجھ پر ایمان لائے۔ تم لوگوں نے مجھے نکال دیا جبکہ اور لوگوں نے مجھے تحفظ دیا، تم نے مجھ سے قتال کیا جبکہ اور لوگوں نے میری مدد و نصرت کی۔۔۔"(البدایہ والنہایہ جلد 5 صفحہ 151)۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ اس وقت کہا جب مسلمانوں نے بدر کے دن مشرکین کو قتل کرنے کے بعد انہیں بدر کے کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ اسلام نے اسلامی عقیدے کے تعلق و رشتہ کو قومیتوں اور نسب و نسل کے تمام

رشتوں پر غالب کر دیا تھا۔ مسلمان عرب میں ایک عقیدے پر مبنی مضبوط وجود بن کر ابھرے تھے۔ اور اس رشتے کی مضبوطی نے انہیں تمام جزیرہ نما عرب پر اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے اور پھر روم وفارس کو چیلنج کرنے میں مدد فراہم کی۔

یہ بات انتہائی عجیب ہے کہ آج مسلمان اس بات سے لاعلم ہیں کہ کس طرح وہ اپنے کافر دشمنوں کے ہاتھوں ہزیمت سے دوچار ہوئے، جب ان کی سرزمین کو قومیت اور وطنیت کے ذریعے پارہ پارہ کر دیا گیااور ان علاقوں پر آج بدبودار عصبیت کے باطل جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ قومی، وطنی اور فرقہ وارانہ تعلقات نے اسلامی بندھن کی جگہ لے لی ہے۔ اس طرح مسلمان تقسیم ہو گئے ہیں، وہ اپنے ممالک کی سرحدوں کی حفاظت کی قسمیں کھاتے ہیں ،وہ سرحدیں کہ جنہیں سائیکس پائیکاٹ معاہدے کے تحت کھینچا گیا تھا۔ ان سرحدوں پر چوکیاں قائم کر دی گئیں ہیں تاکہ مسلمانوں کے آنے اور جانے کی نگرانی کی جاسکے۔ فوجی سپاہیوں اور گارڈز کے کندھوں کو قومی بیجز سے سجایا جانے لگا۔۔۔ اب کچھ باقی نہیں رہا سوائے اس کے کہ یوم آزادی پر ایک فوجی پریڈ ہو، قومی ترانے پڑھے جائیں، جنگی جہازوں کی کرتب بازیاں ہوں، حالانکہ کفار ہر جگہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے ہیں اور مسلمانوں کے گھروں کو مسمار کر رہے ہیں۔

اہلِ بدر نے اللہ پر یقین کیا اور اللہ نے ان کا یقین پورا کیا:

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **إِنَّ اللَّهَ – عَزَّ وَجَلَّ - اطَّلَعَ عَلَى أَهلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعمَلوا مَا شِئتُم، فقَد غَفَرتُ لَكُم** (مسند احمد) "اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر پر نگاہ ڈالی، جو چاہے کرو میں نے تمھاری بخشش کر دی ہے" بیشک اہل بدر نے اللہ پر یقین کیا اور اللہ نے ان کا یقین پورا کیا۔ وہ اللہ پر یقین کرتے ہوئے اپنے رسول ﷺ کے حکم سے قتال پر

گئے۔ اللہ پر یقین کرنے سبب اور اپنے رسول ﷺ کے اطاعت کرنے کے سبب اللہ نے اپنے لشکر کے ذریعے ان کی نصرت کی۔ اللہ فرماتا ہے "إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الأَقْدَامَ ۝ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ(سورۃ انفال آیت 11-12)" (یاد کرو) جب وہ (اللہ) اپنی طرف سے تمھیں امن وسکون دینے کے لئے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، اور آسمان سے تم پر بارش برسا رہا تھا تاکہ تمھیں اس کے ذریعے سے پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسوں کو دور کر دے اور تاکہ تمھارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تاکہ اس کی وجہ سے (تمھیں) ثابت قدم رکھے۔ (اے نبی) جب آپ کا رب فرشتوں کی طرف وحی کر رہا تھا کہ بے شک میں تمھارے ساتھ ہوں، چنانچہ تم انہیں ثابت (قدم) رکھو جو ایمان لائے ہیں، میں جلد ہی ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا جنھوں نے کفر کیا، چنانچہ تم (ان کی) گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر (ہر) پور پر ضرب لگاؤ"۔ اللہ تعالیٰ اپنی مدد کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلاً وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (سورۃ آیت انفال 43)" (اے نبی یاد کریں) جب اللہ نے آپ کے خواب میں آپ کو ان (کفار) کی تعداد کم کر کے دکھائی اور اگر وہ آپ کو ان کی تعداد زیادہ دکھاتا تو تم لوگ ضرورت ہم ہار دیتے اور اس معاملے میں آپس میں اختلاف کرتے لیکن اللہ نے (تمھیں) بچا لیا۔ مجاہد کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے خواب میں جب کفار کو دیکھا تو ان کی

تعداد کم تھی پھر آپ ﷺ نے اس خواب کے بارے میں صحابہؓ کو بتایا اور اس طرح اللہ نے ان کو مزید ہمت اور حوالے سے نوازا (تفسیر قرطبی)۔ اللہ پاک نے اپنی قدرت سے مشرکین کی تعداد کو کم کرکے دکھایا تاکہ مشرکین کو جنگ کی جگہ پر جمع کرے اور مسلمانوں کو ان کے خلاف اقدام کی ہمت دے کر اپنے وعدہ کو پورا کر دے۔ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ مشرکین کی تعداد ہماری نظروں میں اتنی کم تھی کہ میں نے اپنے برابر والے شخص سے کہا "مجھے تو ستر کی تعداد معلوم ہو رہی ہے اور تمھیں؟" تو اس نے کہا "ایک سو" اور جب ہم نے ایک شخص کو قیدی بنایا اور اس سے پوچھا کہ تم لوگ کتنے تھے۔ تو اس نے کہا کہ ہم تعداد میں ایک ہزار تھے۔ سدی نے بیان کیا ہے کہ "مشرکین کے کچھ لوگوں نے کہا کہ اب جب کہ قافلہ جا چکا ہے (کہ جس کے پیچھے مسلمان نکلے تھے) تو واپس لوٹ چلتے ہیں تو ابوجہل نے کہا اب محمد اس کے صحابہ نے ارادہ کرلیا ہے تو جب تک ہم ان کو ختم نہیں کرلیتے ہم گھر نہیں جائیں گے۔ محمد اور اس کے ساتھی تو ذبح کردہ اونٹ ہیں کہ جنہیں تر نوالہ بنایا جائے (تفسیر بغوی جلد دوم صفحہ 298)۔ ابنِ اثیر نے لکھا ہے "عاتکہ بنت عبد المطلب نے مکہ آنے سے تین دن قبل ایک خواب دیکھا تھا۔ جس نے اسے خوفزدہ کر دیا، اس نے یہ خواب اپنے بھائی عباس کو بتایا، وہ کہتی ہیں کہ ایک اونٹ سوار آیا اور اس نے ابطح میں کھڑے ہو کر چیخ کر یہ اعلان کیا اے آل غدر، تین دن میں اپنے قتل ہونے کی جگہ کی طرف نکلو۔ لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ پھر وہ اپنا اونٹ لے کر مسجد حرام کی طرف گیا اور وہاں پر اس نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر پھر وہی اعلان کیا پھر وہ جبل ابی قبیس پر چڑھ گیا اور وہاں سے وہی آواز لگائی اور اوپر سے اس نے ایک چٹان پھینکی جب وہ چٹان نیچے پہنچی تو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور مکہ کا کوئی

گھر ایسا نہ رہا جس میں اس کا کوئی ٹکڑا نا گرا ہو۔ اور جب قریش جحفہ کے مقام پر پہنچے تو جہیم بن صلت بن مخزمہ بن مطلب بن عبد مناف نے بھی ایک خواب دیکھا۔ اس نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک گھوڑے پر سوار شخص آرہا ہے اور اس کے پاس ایک اونٹ بھی ہے، پھر اس شخص نے کہا، عتبہ، شیبہ، ابو جہل اور اس کے علاوہ بہت سارے لوگ قتل ہو گئے ہیں، تو ابو جہل نے طنزاً کہا" یہ بھی بنو مُطلب میں سے ایک نبی ہے، عنقریب پتہ چل جائے گا کہ کون کون لڑائی میں مارا جائے گا۔ (الکامل فی التاریخ)۔ دو خواب کفار قریش پر بہت اثر انداز ہوئے، چنانچہ وہ ہچکچاہٹ اور تردو کے ساتھ میدان میں اترے جبکہ مسلمان جوش و خروش کے ساتھ مقابلے کیلئے سامنے آئے۔ مسلمانوں اور کفار میں بہت فرق تھا، مسلمانوں کو یقین تھا کہ انہیں دو میں سے ایک سعادت حاصل ہو گی، یعنی فتح یا شہادت جبکہ کفار اپنے دل میں چھپی نفرت یا دل میں بھرے ہوئے بغض یا ایک مٹھی بھر دینار کے لئے میدان میں اترے۔ اور پھر ان کی بربادی ان کے سامنے تھی۔

یہ غزوۂ بدر ہے جسے اللہ تعالیٰ یومِ فرقان کا نام دیا اور جو کہ رمضان میں پیش آیا۔ اس کے بعد بھی کئی رمضان مسلمانوں کے لیے فتح کا پیغام لے کر آئے۔ لیکن افسوس کہ جب سے خلافت ختم ہوئی کتنے ہی رمضان گزر گئے مسلمانوں نے نہ ہی عزت کا مزہ چکھا اور نہ ہی فتح کی حلاوت محسوس کی۔ اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ جب ان پر ایسے ظالم حکمران مسلط ہیں کہ جو مردِ میدان نہیں۔ یہ حکمران امریکہ، یورپ، روس اور یہود سے دوستی کرنے میں لگے ہوئے ہیں کہ گویا انہیں اس بارے میں معلوم ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (138)الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا** "منافقین کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے

درد نام عذاب ہے وہ جنہوں نے کافروں کو دوست بنایا مسلمانوں کی بجائے۔وہ ان سے عزت چاہتے ہیں حالانکہ ساری عزت اللہ ہی کیلئے ہے"(سورۃ نساء آیت139،138)۔ لیکن یہ حکمران اس امت کی مستقل قسمت نہیں۔ان کے محل اتنے مضبوط نہیں کہ وہ سیلاب کی مانند امڈتی ہوئی اُمت کے سامنے کھڑے رہ سکیں کہ جو ان حکمرانوں کو اپنی گردن سے اتار پھینکنے اور اپنی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے کے لیے پرجوش ہے،ان حکمرانوں کی سازشیں بے نقاب ہو چکی ہیں، اوران کے پھلائے ہوئے شر سے پردے ہٹ چکے ہیں۔ اب صرف خلیفہ ہی مسلمانوں کا نجات دہندہ اور ڈھال بنے گا جس کی وجہ سے مسلمان اسلام کے جھنڈے تلے ایک ہونگے اور اللہ کے راستے میں یہود سے لڑیں گے، ملکے ہوں یا بو جھل،اورامریکہ اور اس کے حواریوں کو شکست ہو گی،اور ہر اس غدار کو جس نے مسلمانوں کی تباہی کا بیڑا اٹھایا، انشاء اللہ۔

واخرودعوانا ان الحمدللہ رب العلمین۔

الوعی میگزین شمارہ400-401

ختم شد

سوال وجواب : امریکہ بھر میں ہونے والے بڑے پیمانے کے احتجاج اور اس کے امریکی خارجہ پالیسی پر اثر

سوال:

تقریبا دو ہفتوں سے امریکہ بھر میں احتجاج جاری ہے بعض علاقوں میں یہ کافی بڑے پیمانے پر ہیں، جس میں تشدد کا عنصر سرایت کر گیا ہے، استوروں کو لوٹ لیا گیا ہے، پولیس اسٹیشنوں کو آگ لگایا گیا، کیا امریکہ میں ایک سیاہ فام کے قتل سے اس قسم کے احتجاجات ہوسکتے ہیں؟ گزشتہ چند سالوں میں بھی ایسا بہت بار ہوا مگر اس قسم کے احتجاجات نہیں ہوئے! کیا امریکی خارجہ پالیسی پر ان احتجاجات کا کوئی اثر ہوگا؟

جواب:

مندرجہ بالات سوالات کے جواب کو واضح کرنے کے لیے ہم یہ کہیں گے کہ:

-1 امریکی پولیس نے 2020/5/25 کو امریکی ریاست مینیسوٹا کے مینیاپولیس شہر میں افریقی نژاد شخص #جورج فلائیڈ کو قتل کیا، یہ بہیمانہ جرم تھا، اس دوران پولیس والے نے پولیس اسٹیشن میں حاصل کی گئی تربیت کو عملی جامہ پہنایا، اس نے شہ رگ اور گلہ دبایا اور یہ جرم نو منٹ تک جاری رہا جس کے دوران جارج فلوئیڈ چلاتا رہا کہ "میں سانس نہیں لے سکتا" یہاں تک کہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا، اس بہیمانہ جرم کو تمام امریکیوں نے دیکھا، اپنی آنکھوں سے سیاہ فاموں کے خلاف امریکی پولیس کی وحشیانہ برتاو کا نظارہ کیا، انسانوں کے ساتھ اس بہیمانہ سلوک پر اگلے ہی

دن اس شہر میں مظاہرے شروع ہو گئے، پھر گلہ گھونٹنے کی کی اس المناک ویڈیو کے سوشل میڈیا میں وائرل ہوتے ہیں مظاہرے امریکہ میں پھیل گئے، یہاں تک کہ امریکہ کے مختلف اسٹیٹ کے 80 شہروں کو اپنے لپیٹ میں لیا۔۔۔ پھر پر ان تشدد مظاہروں کو روکنے کے لیے حکومت نے چلنے پھرنے پر پابندی لگادی جن قتل لوٹ مار پولیس اسٹیشنوں اور اسٹوروں کو جلانے کے واقعات ہوئے، امریکی پولیس مظاہرین کے ساتھ سختی سے نمٹنے پر مجبور ہوئی جس کے دوران مختلفشہروں میں 4 ہزار افراد گرفتار کیے گئے، چند افراد کے قتل کا بھی اعلان کیا گیا، امن وامان کو بحال کرنے اور حالات کو قابو کرنے کے لیے نیشنل گارڈ طلب کی گئی، بلکہ پہلی بار امریکہ میں دارالحکومت واشنگٹن میں امن قائم کرنے کے لیے فوج طلب کی گئی، مظاہرین کی جانب سے وائٹ ہاوس پر دھاوا بولنے کے خوف سے صدر ٹرمپ کو حفاظت کے لیے زیر زمین محفوظ پناہ گاہ منتقل کیا گیا۔

-2امریکی احتجاج نے اس داخلی استحکام کو تہ و بالا کر دیا جس پر امریکہ کی ایک کے بعد ایک حکومت فخر کرتی تھی، جلاو گھیر او، اسٹوروں کو لوٹنا، بڑے پیمانے پر پولیس اسٹیشنوں کو تباہ کرنا امریکیوں کو اس جہنم سے خوفزدہ کیا جو ان کی حکومتوں نے دوسرے ممالک میں بنایا، ان کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ امریکہ نے دنیا کے ساتھ جس ظلم اور بربریت کا رویہ اختیار کیے رکھا تھا وہی امریکی عوام کے ساتھ بھی ہو گا، یہی وجہ ہے کہ یہ ہر لحاظ سے ہولناک منظر تھا: صدر روائٹ ہاوس کے گرد جمع ہونے والے پر امن مظاہرین کو ڈرایا دھمکایا اور ان کو پاگل کتے کہہ دیا، وائٹ ہاوس کے گرد نصب خاردار تاروں اور کنکریٹ کے روکاوٹوں کو عبور کرنے کی کوشش پر ان کے خلاف بھاری اسلحہ استعمال کرنے کی دھمکی دی، صدر نے اسٹیٹ گورنروں سے بھی مظاہرین سے سختی سے

نمٹنے، زبردستی امن قائم کرنے کا مطالبہ کیا، ان کو نیشنل گارڈ سے مدد لینے کا حکم دیا، فوج ہائی الرٹ رہنے اور پولیس اور نیشنل گارڈ کی امن امان برقرار رکھنے میں ناکامی کی صورت میں 4 گھنٹے کے اندر مداخلت کا حکم دیا، پھر فوج کو دارالحکومت واشنگٹن میں تعینات کی گئی پھر اس اقدام کو واپس لیا گیا کیونکہ فوج کو اپنی عوام کے سامنے لا کھڑا کرنے پر صدر پر سخت تنقید شروع ہوگئی۔ دوسری طرف بپھرے ہوئے مظاہرین کو نہ پولیس روک سکی نہ نیشنل گارڈ اور نہ ہی کرونا کا خوف، مظاہرین کا ایک حصہ پرامن تھا جو شہری حقوق قاتلوں کے احتساب اور پولیس نظام میں اصلاحات کا مطالبہ کررہے تھے، جبکہ دوسری قسم ان مظاہرین کی تھی جو جان بوجھ کر حکومتی مراکز خاص کر پولیس اسٹیشنوں پر حملے کررہے تھے ان کو جلارہے تھے تباہ کررہے تھے، اسی وجہ سے صدر ٹرمپ نے اعلان کیا کہ سرمایہ داریت کے سخت مخالف بائیں بازو کی تنظیم "انتیفا" یہ سب کررہی ہے! جب کہ مظاہرین کی تیسری قسم لوٹ مار، چوری اور تخریبی کاراوائیاں کررہے تھے۔۔۔

-3امریکی پولیس کی حقیقت جس کا ستون سفید فام ہیں سیاہ فام شہریوں کی تذلیل کے عادی ہیں، سیاہ فاموں کی بڑی تعداد پولیس کے ہاتھوں قتل ہوچکی ہے جن میں سے بعض کی تصاویر اور ویڈیو سامنے آئی جیسا کہ فلوائیڈ کے معاملے میں ہوا، یہ واقعات شاذونادر نہیں بلکہ مسلسل ہورہے ہیں، امریکہ میں نسل پرستی واضح اور محسوس اور ان کے معاشرے میں قابل توجہ ہے۔۔۔

مگر 25/5/2020 کو مینیاپولیس شہر میں فلوائیڈ کے قتل نے نسل پرستی کی پالیسی کے خلاف عوامی غیظ وغضب کو بڑھا دیا جس کو ریاستی ادارے امریکہ میں خاص طور پر سیاہ فاموں خلاف پیدا کرتے ہیں، اس کے بعض اسباب پرانے اور بعض نئے ہیں، ان اسباب میں سے کچھ یہ ہیں:

ا-امریکی معاشرے کا شیر و شکر ہونے میں ناکامی: موجودہ امریکی معاشرے کی نشو نما ہی خاص طور پر نسل پرستی میں ہوئی، یورپ سے آنے والے تارکین وطن عمومی طور پر اور انگریزوں نے خاص طور پر کئی ملین امریکہ کے اصل باشندے ریڈ اینڈینز کی لاشوں پر امریکہ کو کالونی بنایا، نئ کالونیوں میں کام کاج کے لیے افریقہ سے بڑی تعداد میں لوگوں کو غلام بنا کر لایا اسی لیے امریکی افریقی نژاد لوگوں کو غلاموں کی نظر سے ہی دیکھتے ہیں، صدیوں تک تو یہ باقاعدہ رسمی طور پر تھا جس دوران یہ افریقی نسل پرستانہ تنہائی کا شکار تھے، سفید فاموں کے کھیتوں اور فیکٹریوں میں کام کرتے تھے، 1790 کے شہریت کا قانون صرف سفید فاموں کو شہریت دیتا تھا، جبکہ سیاہ فاموں کو شہری ہی تسلیم نہیں کرتا تھا، انیسویں صدی کی ساٹھ کی دہائی میں سیاہ فاموں کو کچھ حقوق جیسے ووٹ ڈالنے کا حق ملنے کے باوجود نسلی امتیاز خانہ جنگی کے بعد بھی حکومتی پالیسی رہی، بیسویں صدی کے وسط کے بعد "شہری حقوق" کے نام ایک ایک بڑی تحریک شروع ہوئی جس میں مارٹن لوتھر کنگ امریکی سیاہ فاموں کے قائد کے طور پر سامنے آئے، جس کے بعد سیاہ فاموں کو رسمی طور پر امریکہ کے شہری تسلیم کر کے ان کے حقوق کا اعتراف کیا گیا۔۔۔یہی وجہ ہے کہ ان افریقیوں نے یہ سمجھ لیا کہ انہوں نے وہ شہری حقوق حاصل کر لیے جو ان کے آباواجداد حاصل نہیں کر سکے تھے، مگر اس نے امریکی گوروں کی ذہنیت میں کوئی تبدیلی نہیں لائی، وہ ان افریقیوں کو اب بھی کمتر سمجھتے ہیں، اسی لیے ان کے خلاف نسل پرستانہ کارروئیاں جاری رہیں، امریکی زعماء کی جانب سے نسلی امتیاز کے خاتمے کے دعوں کے باوجود مختلف رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ میں افریقی نسل کے خلاف نسلی امتیاز کی جڑیں بہت گہری ہیں۔۔۔ سیاہ فاموں کے خلاف نسلی امتیاز کے مظاہر میں سے

ایک یہ بھی ہے کہ سفید فاموں کی نسبت سیاہ فام بہت بڑی تعداد میں جیلوں میں ہیں، اسی طرح ان کی بہت بڑی تعداد بے روزگار ہے، سفید فام امریکی کے مقابلے میں سیاہ فام امریکی اوسط آمدن بہت کم ہے، اسی طرح ان کو حاصل طبی سہولیات بہت کم ہیں، یہی حال تمام تر خدمات اور سہولیات کی ہے، سیاہ فاموں کے رہائشی علاقوں جن کو کالوں کے علاقے کہا جاتا ہے اور گوروں کے رہائشی علاقوں میں واضح امتیاز ہے، گوروں کے علاقے ترقی یافتہ وہاں سہولیات میسر ہیں حتی کہ وہاں مکانات کے کرایے زیادہ ہیں اور گورے انہی علاقوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

ب- نسل پرست ٹرمپ انتظامیہ کی آمد اور وائٹ سپر میسی کا نعرہ لگانے والوں کو گود لینا: صدر ٹرمپ کی حمایتی گروپس گوروں کی دوسروں پر بالادستی پر یقین رکھتے ہیں، ٹرمپ کے وائٹ ہاوس میں آنے کے بعد ان گروپوں کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوا انہوں نے بھی ٹرمپ کی شخصیت میں اپنا قومی لیڈر پالیا، اس میں انجیل کو ماننے والی عیسائیوں کا امتزاج بھی ہے جو اس برتری میں مذھبی رنگ کا بھی اضافہ کرتے ہیں، مسلمانوں کے خلاف کھل کر بات، بعض مسلمانوں کو امریکی ویزے کے حصول سے روکنا، مکسیکو کے باشندوں کے خلاف ٹرمپ کے بیانات، مکسیکو کے باڈر کے ساتھ دیوار کی تعمیر کا منصوبہ جس کے کچھ حصے پر عمل بھی ہوچکا، چین کے ساتھ تجارتی جنگ، کرونا وائرس کو چینی وائرس کا نام دینا، امریکہ میں چینیوں سے عداوت کی لہر کا پیدا ہونا، 2017 میں ورجینیا اسٹیٹ میں نئے نازیوں کے مظاہروں سے درگزر، اقلیتوں کے حوالے سے مسلسل توہین آمیز لب ولہجہ، "سیاہ فام" فلوائیڈ کے قتل پر تبصرے، سیاہ فاموں کی حمایت میں چلنے والی تحریک کو کچلنے کی دھمکیاں۔۔۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر ٹرمپ ہی امریکہ میں نسلی امتیاز کو پروان چڑھانے کا

سب سے اہم عامل بن چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کے دور حکومت میں امریکہ میں سیاہ فاموں، مسلمانوں، مکسیکنز اور چینیوں کے خلاف پر تشدد واقعات میں اضافہ ہوا، اب ان کو پہلے سے زیادہ اس نظر سے دیکھا جاتا ہے کہ یہ سب طفیلی ہیں جو امریکیوں سے ان کے نوکریوں کے مواقع چھیننے اور امریکہ کے وسائل لوٹنے آئے ہیں، اسی لیے امریکی معاشرے کے بہت سے شعبوں میں نسلی امتیاز نمایاں ہو گیا ہے۔۔

ج-امریکی معاشرے میں کروناوائرس کے اثرات: فلوئیڈ کے قتل کے بعد امریکہ میں احتجاجات کے شعلوں کو بڑھانے کے اسباب ایک یہ بھی ہے کہ یہ کرونا کے پھیلاو کے وقت شروع ہوئے جب لوگ لاک ڈاون سے تنگ آرہے تھے، یہ تو ایک پہلو سے جبکہ دوسرے پہلو سے امریکیوں کی بڑی تعداد بے روزگاری کی وجہ سے اپنے مستقبل کے حوالے سے تشویش میں مبتلا تھے، تیسرا پہلو یہ کہ امریکیوں نے دیکھا کہ ان کی حکومت امریکہ میں کروناوائرس کے پھیلاو کو روکنے میں مکمل ناکام ہو گئی ہے، جہاں بنیادی طبی لوازمات اور آلات کی بھی قلت کا سامنا ہوا، وائرس سے نمٹنے میں ناکامی کا سامنا تھا حلانکہ وائرس کی لہر نے چین اور یورپ کے بعد امریکہ پر ضرب لگائی جسے اس کو تیاری کا بہترین موقع ملا تھا جس سے فائدہ اٹھانے میں ناکام ہوا، اسی طرح وبا سے نمٹنے میں امریکی انتظامیہ کی ناکامی کے نتیجے میں امریکی سیاسی میڈیم ٹرمپ انتظامیہ کے وبا سے نمٹنے کے طرز عمل کے حوالے سے تقسیم ہو گیا۔۔۔ گہرے اور اہم داخلی مسائل میں سے ایک امریکی معاشرے کا سرمایہ دارانہ نظام کے خرابی کا بڑھتا ہوا احساس ہے، امریکہ میں دولت کی تقسیم کا عمل خوفناک تیزی سے سرمایہ داروں کے ایک چھوٹے سے ٹولے کے حق میں جارہا ہے جو کہ پالیسیوں پر

اثرانداز ہونے والے لابیاں ہیں، وہ پالیسی جسے وہ ٹیکسوں سے مزید چھوٹ حاصل کرلیتے ہیں جبکہ متوسط اور محدود آمدنی والے اپنے آمدن کابڑا حصہ تباہ کن ٹیکس کے طور پر ادا کرتے ہیں، امریکہ کے حالیہ احتجاجات نے سرمایہ داریت کے سب سے بڑی مخالف تحریک "انتیفا" کو نمایاں کردیا اور امریکی صدر ٹرمپ نے اس کو دہشت گرد قرار دینے کا مطالبہ کیا، یہ وہی تحریک ہے جس نے 2008 میں سرمایہ داریت کے بڑے مرکز "وول اسٹریٹ" اسٹاک ایکسچینج پر قبضے کا نعرہ لگایا تھا، اس تحریک نے اپنے پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ کیا اور امریکی معاشرے میں اپنی جڑیں مظبوط کردی، یہ تحریک سرمایہ داریت کے خلاف تشدد کا نعرہ لگاتی ہے آج اسی تحریک پر مظاہرین کو حکومتی مراکز جیسے پولیس اسٹیشن کو جلانے ترغیب دینے کا الزام ہے۔۔۔

-4اس سب کا امریکی خارجہ پالیسی پر اثر ہوا، مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر یہ موثر عوامل ہیں:

ا-امریکہ میں تقسیم کی حالت: 2017 میں ٹرمپ انتظامیہ نے یہ ظاہر کیا کہ امریکہ ایک شخص کی قیادت میں ایک نہیں، دنیا میں جنگوں، امریکہ کی دنیا بھر میں اپنے ایجنٹوں کو دی جانے والی امداد، ٹیکس پالیسی، اقلیتوں کے ساتھ سلوک، پناہ گزینوں کا معاملہ وغیرہ جیسے مسائل کے حوالے سے پالیسی کے حوالے سے امریکی منقسم ہوگئے، مگر ٹرمپ آکر خود امریکہ کی اس تقسیم کا سبب سے بڑا سبب بن گیا، اس کی شخصیت میں موجود خودسری اقتدار سے چمٹنے کے شوق حد سے زیادہ نمایاں ہونے کی کوشش حکمت کی قلت اندرونی چپقلش میں ملوث ہونے کی طرف میلان مدمقابل کو گرا کر آگے بڑھنے کی جستجو نے اس چیز کو زیادہ کیا، اس چیز نے عملاً امریکہ کو ٹرمپ کے ساتھ یا ٹرمپ کے مخالف میں تقسیم کرکے رکھ دیا، اس کے انتظامیہ میں برطرفیاں اور استعفے اس قدر بڑھ گئے کہ

ایسا امریکہ کے کسی بھی صدر کے ساتھ کبھی نہیں ہوا، کروناوائرس بحران کی وجہ سے صدر اور گورنروں کے درمیان تلخ کلامیوں نے امریکہ میں تقسیم کو تیز تر کر دیا، اس تقسیم نے امریکی سیاسی اور مالی میڈیم پر ضرب لگائی جس کا اثر پورے معاشرے پر ہوا۔ صدر اور اس کے انتظامیہ کا عوامی احتجاج کے بحران سے نمٹنے کا طریقہ کار اس تقسیم کا ایک اور سلگتا ہوا سبب ہے، ٹرمپ فلوئیڈ کے قتل کے بعد ہونے والے مظاہروں کا مخالف ہے اور طاقت کے زور پر امن وآمان قائم کرنا چاہتا ہے جبکہ ڈیموکریٹ اور اسٹیٹس کے گورنر بلکہ وزیر دفاع جس نے صدر کے ساتھ وائٹ ہاوس کے پڑوس میں موجود چرچ میں جانے سے انکار کیا جہاں سے سیکورٹی اداروں نے مظاہرین کو دور کر دیا اس کے خلاف ہیں بلکہ اس نے اس عمل کو ٹرمپ کے لیے سیاسی پروپگینڈا قرار دیا۔۔۔اس رسہ کشی میں تیزی کی تازہ ترین مثال امریکی سابق وزرائے دفاع اور درجنوں عسکری عہدہ داروں ایک مشترکہ خط میں یہ کہنا ہے کہ- مظاہروں کو کچلنے کے لیے فوج بلانے کی بات کرکے صدر نے اپنے حلف اور دستور سے خیانت کی؛اس خط پر دستخط کرنے والوں میں سابق وزیر دفاع جیمس میٹس بھی تھے، الجزیرہ7 /6 /2020)۔۔۔ بات سابق وزرائے دفاع تک محدود نہیں رہی بلکہ موجودہ وزیر دفاع نے ٹرمپ کی مخالفت کی مذکورہ ذرائع نے ہی خبر دی کہ "سی این این نے وزارت دفاع "پینٹاگوان" کے عہدہ دار کے حوالے سے خبر دی کہ صدر ٹرمپ نے گزشتہ ہفتے شروع ہونے والے احتجاج کو روکنے کے لیے دارالحکومت واشنگٹن اور دوسرے شہروں میں ہزاروں کی تعداد میں فوج تعینات کرنے کا حکم دیا مگر وزیر دفاع مارک اسبر اور جائنٹ چیف آف اسٹاف مارک میلی اس کو مسترد کر دیا، یہ مظاہرے پولیس کی جانب سے نسل پرستانہ ے شدد کے رد عمل میں

واشنگٹن اور دوسرے امریکی اور یورپی شہروں میں ہو رہے ہیں۔ نیویارکر میگزین نے یہ خبر دی کہ وائٹ ہاوس کے ذرائع کے مطابق اس معاملے میں امریکی صدر اور جنرل مارک میلی کے درمیان تلخ کلامی ہوئی۔ میگزین نے خبر بھی دی کہ جنرل میلی نے صدر کی جانب سے امریکی شہروں میں فوج تعینات کرنے کے مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے صدر سے سخت انداز میں بلند آواز سے بات کی اور کہا کہ مظاہروں کو روکنے کے لیے شہروں میں فوج تعینات کرنا قانون کے خلاف ہے)۔

ب- صدارتی انتخابات کا موسم: اس مسئلے کو جس چیز نے زیادہ گرمایا وہ یہ کہ یہ احتجاج دونوں ڈیموکراٹک امیدوار جو بائیڈن اور ریپبلک امیدوار ٹرمپ کے انتخابی مہم کے دوران شروع ہوئے۔ جسے صدر ٹرمپ بطور صدر کے اپنے مستقبل کے حوالے سے سخت تشویش میں مبتلا ہو گئے، وہ اس سال نومبر میں ہونے والے انتخابات میں دوبارہ منتخب ہونا چاہتے ہیں یہی مسئلہ ان کی پہلی ترجیح ہے، مگر ان کی تشویش کی بنیادی وجہ کرونا وائرس اور امریکی معیشت پر اس کے اثرات ہیں، لاکھوں امریکیوں کا نوکریوں سے ہاتھ دھونا اور وائرس سے نمٹنے میں میں ناکامی سے وہ خوفزدہ ہے کہ اس کا مدمقابل ڈیموکراٹک امیدوار انتخابی مہم میں فائدہ اٹھائے گا، پھر احتجاج کی لہر آگئی صدر ٹرمپ اس دوران اپنے آپ کو طاقتور اور حالات کو قابو کرنے اور املاک کی حفاظت کرنے والے باصلاحیت شخص کے طور پر نمایاں کرنا چاہتا ہے جسے اس کے انتخابی مہم کو فائدہ ہو۔۔۔ جبکہ اس کا مدمقابل جو بائیڈ ڈیموکراٹک پارٹی اور دوسری قوتیں اس کے برخلاف کام کر رہے ہیں، وہ یہ دکھا رہے ہیں کہ یہ شخص امریکہ میں تقسیم کی خلیج کو وسیع کر رہا ہے اور فلوائیڈ کے قتل اور اس کے خلاف ہونے والے مظاہروں کے بعد امریکی معاشرے کو لگنے والے زخموں پر مرہم رکھنے کی

صلاحیت نہیں رکھتا، اسی کو مظاہرین کے خلاف تند و تیز بیانات کی وجہ سے مظاہروں میں ہونے والے تشدد اور لوٹ مار کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔۔۔

ج- ریاست کا احتجاج کو کچلنا: دنیا نے امریکی حکومت کی جانب سے عوامی مظاہروں کو ہولناک اور وحشیانہ طریقے سے کچلنے کا مشاہدہ کیا، صدر کی جانب سے طاقت کے زور پر امن قائم کرنے، مظاہرین کو پاگل کتے کہنے، بھاری اسلحہ استعمال کرنے کی دھمکی، ہزاروں کی گرفتاری، تشدد، امریکہ میں آنسو گیس کا استعمال کا مشاہدہ کیا حالانکہ کئی دہائیوں سے ایسا نہیں ہوا تھا، اس کے بعد امریکہ کے پاس دنیا میں انسانی حقوق رائے کی آزادی اور اپوزیشن کی حمایت وغیرہ کا واویلا کرنے کی حجت مفقود ہوگئی اور امریکہ ایسی کو اپنے مخالفین کے خلاف استعمال کرتا تھا، اس کا براہ راست اثر ہے امریکی خارجہ پالیسی نے اپنا مشہور ترین عالمی بہانہ کھو دیا۔۔۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ روسی وزارت خارجہ کے ترجمان ماریا زاخاروفا نے کہا: "مئی 2020 کے اوخر اور جون کے اوائل میں امریکہ نے جو کچھ کیا اس کے بعد کرہ ارض میں انسانی حقوق کے حوالے سے بات کرنے کا کوئی حق نہیں"۔

زاخاروفا نے مزید کہا کہ "امریکی سیکورٹی اداروں کا نسلی امتیاز کے خلاف احتجاج میں شریک مظاہرین پر تشدد کے بعد امریکہ کے پاس انسانی حقوق کا واویلا کرنے حق ختم ہوگیا" الیوم السابع 2020/6/2۔

5- یوں نسلی امتیاز کی جڑی امریکہ میں مظبوط ہیں، یہ کچھ دیر خاموش ہوتی ہے مگر پھر زیادہ تیزی سے متحرک ہوتی ہے، یہ امریکی سرمایہ دارانہ نظام کی نشو نما کی فکری بیماری ہے، بلکہ کوئی بھی من

گھڑت نظام اس سے خالی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ انسان کی اس خواہش اور رغبت کے تابع ہوتا ہے جو کالے گورے سرخ اور پیلے میں تمیز کرتی ہے۔۔۔ چاہے یہ تمیز دوسروں کے ضرر کا باعث بن جائے بلکہ آگے جاکر اپنے آپ کو بھی!

یقیناً صرف اسلام نے اس نسلی امتیاز کا خاتمہ کیا ہے اور کر رہا ہے، جس میں رنگ کی بنیاد پر انسانوں کو ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں، بلکہ سب برابر ہیں ایک دوسرے سے افضل صرف تقوی کی وجہ سے ہوسکتے ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالی فرماتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِير﴾ "اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مذکر اور مونث سے پیدا اور تمہیں اقوام اور قبائل بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے بے شک اللہ علیم اور خبیر ہے"، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کو البیھقی (384ہجری-458ہجری) نے ابو نضرہ سے اور انہوں نے جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایام تشریق کے وسط میں خطبۃ الوداع دیتے ہوئے فرمایا:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلا لا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلا لأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلا بِالتَّقْوَى، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ، أَلا هَلْ بَلَّغْتُ؟»، قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ»

"اے لوگو تمہارا رب ہے تمہارا باپ ایک ہے سنو کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں نہ ہی کسی

عجمی کو عربی پر نہ کسی سرخ کو کالے پر نہ کسی کالے کو سرخ پر مگر صرف تقویٰ کی وجہ سے، اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہو، سنو کیا میں پہنچا دیا؟" کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول، فرمایا: "پھر حاضر غائب تک پہنچائے"، اسی طرح روایت البوصری (762-840) نے کی ہے، الطبرانی (260-360) نے بھی ایسی روایت کی ہے، اپنی روایت میں کہا کہ "کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر"۔

یوں صرف اسلام نسلی امتیاز کو ختم کرتا ہے کیونکہ یہی اللہ رب اللعالمین کا نازل کیا ہوا ہے، یہی حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے، چار دنگ عالم میں خیر کو عام کرتا ہے،

﴿أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لا يَهِدِّي إِلا أَنْ يُهْدَى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾

"کیا جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اس بات کا زیادہ حقدار نہیں کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو اس وقت تک راہ راست پر نہیں چلتا جب تک اس کو راقہ راست پر نہ لایا جائے تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے فیصلے کرتے ہو"۔

20 شوال 1441

11/6/2020

حزب التحریر کے امیر

ختم شد

سوال و جواب: چین اور بھارت کے درمیان سرحدی جھڑپ

(ترجمہ)

سوال:

رائیٹرز نے 10 جون 2020 کو خبر دی کہ "۔۔۔ہندوستانی عہدیداروں نے وضاحت کی کہ لداخ کے برف پوش بلند و بالا علاقے میں سرحد پر مامور سینکڑوں فوجی اپریل سے ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں جہاں کئی سالوں سے زبردست سرحدی تناؤ ہے، یہ چینی فوج کی جانب سے اس علاقے میں گشت کے بعد ہوا جس کو بھارت اپنا سرحدی علاقہ سمجھتا ہے جبکہ چین کا دعوٰہ ہے کہ وہ علاقہ اُس کی حدود میں آتا ہے اور چین نے ہندوستان کی جانب سے اس علاقے میں سڑکوں کی تعمیر پر اعتراض کیا۔۔۔" چین اور بھارت کے اس سرحدی علاقے میں مئی کے پہلے ہفتے میں دونوں بارڈر سیکورٹی فورسز کے درمیان جھڑپیں دیکھنے میں آئیں۔ کیا اس کے مقامی محرکات ہیں یا اس کے پیچھے امریکہ ہے جو چین کو ہراساں کرنا چاہتا ہے یا اس پر دباؤ ڈالنا چاہتا ہے؟ مزید برآں اس تنازعے کا مقبوضہ کشمیر اور پاکستان کے مسلمانوں پر کیا اثر ہو گا؟

جواب:

5 مئی کو ہندوستان کے شمال میں لداخ کے بلند و بالا علاقے وادیِ دریائے گلوان میں ہونے والی سرحدی جھڑپ، اور پھر تین دن بعد ناتھولا پاس (ہمالیہ کے پہاڑوں میں ہندوستان کی ریاستِ سِکم کو چین کے خودمختار تبت کے علاقے سے ملانے والی درہ) پر ہونے والی جھڑپوں نے دونوں ملکوں

کے درمیان عسکری اور سفارتی بحران کو جنم دیا۔ چین اور بھارت کے تعلقات میں کشیدگی کی ایک طویل تاریخ ہے، جس کی شروعات 1890 میں انگریز کی طرف سے چین کے ساتھ کیے گئے سکم تبت کنونشن کے نتیجے میں کی گئی سرحدی حدبندی سے ہوتی ہے، جب اسلامی برِ صغیر ہند پر انگریز کا براہِ راست قبضہ تھا، جہاں سے نکلتے وقت اُس نے اِس علاقے کو ہندوستان اور پاکستان کی شکل میں دو ٹکڑوں میں تقسیم کیا، جبکہ کشمیر کو ان دونوں کے درمیان سلگتے ہوئے تنازعے کے طور پر چھوڑ دیا۔۔اسی طرح چین اور بھارت کے درمیان بھی بہت سے متنازعہ سرحدی علاقے چھوڑ دیے۔

حال ہی میں جو کچھ ہوا اس کو بیان کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور پر غور کرنا ہو گا:

پہلا:

ہندوستان اور چین کے مابین حالیہ سرحدی تصادم اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہیں ہے۔ دونوں ممالک کی فوجیں سال 2013، 2014، 2017ء میں آمنے سامنے تھیں اور بالکل جنگ کے دھانے پر تھیں اور یہ تو صرف آخری دِہائی کی بات ہے۔ اس سے پہلے 1962 میں دونوں ملکوں کے درمیان بھرپور جنگ ہو چکی ہے جس میں بھارت کو شکست ہوئی اور چین نے کشمیر کے شمال میں اکسائی چِن کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ مشرقی بارڈر پر دونوں ملکوں کے مابین تنازعہ برطانوی استعمار اور اروناچل پردیش کو ہندوستان میں شامل کرنے کا نتیجہ ہے اور اس تنازعے کی ایک اور وجہ ہندوستان کے برطانوی کالونی ہونے کے لمبے عرصے میں چین کے ساتھ سرحدی حدبندی نہ کرنا بھی ہے۔ جہاں تک مغربی بارڈر پر تنازعے کا تعلق ہے تو یہ تنازعہ دونوں ملکوں کی جانب سے اسلامی سرزمینِ کشمیر پر لالچی نظریں جمانے کی وجہ سے ہے خاص کر 1947 کے بعد۔ لیکن ان سرحدی تنازعات کی وجہ

سے، دونوں ممالک بڑے پیمانے پر متضاد اعداد و شمار شائع کرتے ہیں، حتیٰ کہ اپنی سرحد کی لمبائی کے بارے میں بھی، جہاں تقریباً چار ہزار کلومیٹر کے برابر اختلاف ہے۔ جہاں تک گزشتہ 5 مئی کی جھڑپوں کا معاملہ ہے تو یہ تبت کی سطح مرتفع پر 14 ہزار فٹ کی بلندی پر پینگونگ سو کی برفیلی جھیل کے کنارے ہوئیں، جس میں دونوں جانب سے درجنوں فوجی زخمی ہوئے، اور اُس کے بعد سے جھڑپوں کے ساتھ ساتھ فوجی کمک میں اضافہ کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ چین نے لداخ کے اس متنازعہ علاقے میں 5000 فوجی اور بکتر بند گاڑیاں پہنچادی ہیں۔ (اخبار بزنس اسٹینڈرڈ کے مطابق، چینی پیپلز لبریشن آرمی کے 5000 سے زیادہ فوجیوں نے لداخ میں پانچ چیک پوسٹوں پر حملہ کیا- جن میں سے چار دریائے گالوان کے ساتھ ہیں جبکہ ایک پینگونگ کی جھیل کے قریب ہے۔24 مئی 2002 www.defense-arabic.com)

دوسرا:

دونوں ملکوں کے درمیان حالات اُس وقت سے کشیدہ ہونے لگے جب بھارت نے لداخ کے علاقے کو جموں وکشمیر سے الگ کر دیا۔ چین سمجھ گیا کہ لداخ کو جموں وکشمیر سے الگ کرنا اسٹریٹیجک مقاصد کے لیے ہے اور اس کا مقصد چین پر دباؤ بڑھانا ہے جو کہ 2014 میں بھارتیہ جنتا پارٹی اور اس کے سربراہ نیرندر امودی کے برسر اقتدار آنے کے بعد تیز ہوا ہے۔ 5 اگست 2019 کو امت شاہ کی جانب سے اس اعلان پر کہ ہندوستان لداخ کو الگ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے چینی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے کہا: "ہندوستان کی جانب سے اپنے قانون میں یکطرفہ تبدیلی چین کے لیے نقصان دہ اور اُس کی علاقائی بالادستی کے لیے چیلنج ہے اور یہ ہمیں قبول نہیں"۔ دونوں

ملکوں کے درمیان بار بار اٹھنے والے سرحدی تنازعات کے پیچھے دو مرکزی نکتے رہے ہیں: ایک مشرقی سرحد پر جہاں چین اروناچل پردیش کو اپنے ملک میں ضم کرنا چاہتا ہے جس کا رقبہ 83 ہزار مربع کلو میٹر ہے جس کو چین جنوبی تبت کہتا ہے مگر ہندوستان اس کو مسترد کرتا ہے۔ دوسرا مرکز ہندوستان کا مغربی بارڈر ہے جہاں وہ اُن علاقوں کو واپس لینا چاہتا ہے جن پر 1962 میں چین نے قبضہ کیا تھا، یعنی اسلامی سرزمینِ کشمیر کا علاقہ جسے اکسائی چن کہتے ہیں، جس کا رقبہ 37 ہزار مربع کلو میٹر ہے۔ یہ کم آبادی والا نیم صحرائی علاقہ ہے۔ چین اس بات کا انکار کرتا ہے، بلکہ وہ کشمیر کے علاقے میں مزید بالا دستی چاہتا ہے، چنانچہ آج چین نے مغربی بارڈر پر اکسائی چِن سے ملحقہ کشمیر کے لداخ کے علاقے پر نظریں جمائی ہوئی ہیں۔ یہ علاقہ قدیم چین کے تجارتی راستے "شاہراہِ ریشم" کا حصہ تھا۔

تیسرا:

لداخ کا علاقہ، جہاں بھارت اور چین کے درمیان حالیہ جھڑپیں ہوئیں، اسلامی سرزمین ہے اور یہ کشمیر کا اٹوٹ انگ ہے جو صدیوں تک اسلام کے زیر سایہ تھا، یہ جموں و کشمیر کا حصہ ہے مگر اس کو 31 اکتوبر 2019 کو ایک قانون کے ذریعے کشمیر سے توڑا گیا! یہ ایک کم آبادی والا لیکن اسٹریٹیجکلی انتہائی اہم علاقہ ہے۔ یہ ہندوستان میں سب سے بلند علاقہ ہے جس میں بالائی انڈس ریور بھی شامل ہے۔ اس علاقے کے مشرق میں چینی ایل اے سی (LAC) اور مغرب میں پاکستانی ایل او سی (LOC) ہے جبکہ شمال کی طرف قراقرم پاس واقع ہے۔ قراقرم پاس سے پہلے آخری ہندوستانی آبادی دولت بیگ اولدی واقع ہے۔ یاد رہے کہ ترک زبان میں اس کا معنیٰ" وہ

جگہ ہے جہاں کوئی عظیم اور مالدار شخص فوت ہو گیا ہو"۔ کہا جاتا ہے کہ یہ نام سلطان سعید خان سے منصوب ہے، جو یارکنڈ کی ریاست کے خان تھے، اور 938 ہجری بمطابق 1531 کی خزاں میں لداخ اور کشمیر کو فتح کرنے کی مہم پر آئے تھے، 939 ہجری کے اواخر میں یارکنڈ لوٹتے ہوئے سخت بیمار ہوئے اوراس جگہ وفات پا گئے۔یوں یہ اسلامی سرزمین ہے جو کشمیر کا حصہ ہے جس پر ہندوستان قابض ہے۔ کشمیر جس کو کئی زخم لگے ہیں، اس پر ایک طرف سے ہندوستان جموں و کشمیر اور لداخ پر قابض ہے تو دوسری طرف چین اکسائی چن اور ٹرانس قراقرم ٹریکٹ (Trans-Karakoram Tract) پر قابض ہے حلانکہ کشمیر کے یہ سارے علاقے اسلامی علاقے ہیں، جن میں سے صرف آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان پاکستان کے ساتھ ہیں، جو کہ پورے کشمیر کا ایک تہائی سے بھی کم ہیں۔ آزاد کشمیر سے ملحقہ علاقے پر ہندوستان کا قبضہ ہے جبکہ گلگت وغیرہ کے ملحقہ علاقوں پر چین اور بھارت دونوں کا قبضہ ہے۔ اسلامی دنیا خاص کر پاکستان کی موجودہ کمزور ترین حالت میں ہندوستان نے جموں و کشمیر کے علاقے لداخ کو اپنا حصہ قرار دے دیا جبکہ چین اُس کو سنکیانگ یعنی مشرقی ترکستان کا حصہ اور اپنا علاقہ کہتا ہے۔ دونوں ممالک اس اسلامی سرزمین کو اپنا حق کہہ کر رسہ کشی میں لگے ہوئے ہیں جبکہ پاکستان مسلسل امریکہ کی اطاعت گزاری میں مصروف ہے اور باقی مسلمان خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں!!

چوتھا:

چین ہندوستان کے زیرِ قبضہ لداخ کو ایک خاص نظر سے دیکھتا ہے۔ بت پرستوں کی موجودگی کے علاوہ اِس علاقے میں دو قدیم تجارتی راستے بھی شامل ہیں جو وسطی ایشیا تک جاتے ہیں۔ چین کی نئ

سٹریٹجی، "سلک روڈ اکنامک بیلٹ" (Silk Road Economic Belt) کے لیے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اگرچہ چین کے لئے وسطی ایشیا تک پہنچنے کے لیے دیگر راستے موجود ہیں لیکن اِس کے باوجود لداخ سے گزرنے والا راستہ وسطی ایشیا کی مارکیٹ اور زیادہ آبادی والے علاقوں تک پہنچنے کا مختصر ترین راستہ ہے۔ اس کی اہمیت میں اس وجہ سے بھی اضافہ ہو جاتا ہے کہ یہ قدیم تجارتی راستے چینی مصنوعات کو مشرقی چین کے صنعتی مراکز سے، پاکستان کے شمال سے ہوتے ہوئے گوادر کی بندرگاہ تک پہنچانے کے فاصلے کو کم کرتے ہیں اور اسی لئے چین نے اس اہم تجارتی شاہراہ (CPEC) پر حالیہ سالوں میں دسیوں ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہے۔ لہٰذا یہ تنازعہ چین کی اس ذہنیت سے الگ نہیں۔ اگر چین دوسری طرف (مشرقی بارڈر) اروناچل پردیش کے حوالے سے ہندوستان کے ساتھ سرحدی تنازعے کو ہوا دیتا تو اس کو یہ "اقتصادی گزرگاہوں کے "فوائد نہ ملتے اسی لیے وہ "سلک روڈ اکنامک بیلٹ" (Silk Road Economic Belt) کی اسٹریٹیجی پر گامزن ہے کیونکہ یہ ان علاقوں سے دور ہے جہاں امریکی بحریہ کا کنٹرول ہے خاص کر آبنائے ملاکہ۔ جو چیز چینیوں کے ان شکوک وشبہات میں اضافہ کرتی ہے کہ ہندوستان چین کو ابھرنے سے روکنے کے امریکی منصوبے میں ملوث ہے وہ مندرجہ ذیل امور ہیں:

1۔ کرونا وبا کے بحران کے بعد امریکہ کو مختلف بہانوں سے چین کو تنگ کرنے کا موقع ملا۔ واشنگٹن مسلسل کہتا جا رہا ہے کہ چین کو کرونا کو پھیلانے کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے اور وہ کئی ممالک کو بھی اس مطالبے میں ساتھ دینے کے لیے اپنے ساتھ گھسیٹ رہا ہے، جن میں سے ایک ملک ہندوستان بھی ہے، کہ وائرس کے بارے میں تحقیقات کی جائیں خاص طور پر ووھان انسٹیٹیوٹ

آف وائرولوجی کے حوالے سے تحقیقات کی جائیں۔ دوسری طرف چین میں وائرس پھیلنے کے بعد کچھ چینی مصنوعات کی سپلائی منقطع ہونے کی وجہ سے بہت سارے یورپی اور عالمی کارخانوں کی سپلائی متاثر ہوئی جس سے چین سے آنے والی ترسیل سے دستبرداری کے مطالبے سامنے آئے۔ اِس کے علاوہ امریکی صدر نے چین میں کام کرنے والی کمپنیوں کو واپس بلانے یا کم از کم اُن کو چین سے باہر نکالنے کی مہم چلا رکھی ہے۔ اِن وجوہات کی بنا پر چین آج یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کی معیشت اس طرح دباؤ اور خطرے سے دوچار ہے جس کی ماضی میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

2۔بھارت کے امریکی منصوبے میں استعمال ہونے کا اشارہ اس بات سے بھی ملتا ہے وہ چینی معیشت کو کمزور کرنے کی کوشش کر رہا ہے (جنرل وینود بھاٹیا جو کہ بھارت کے ملٹری آپریشن کے سابق ڈائریکٹر (Ex-DGMO) ہیں نے اناتولیہ ایجنسی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ "چین عالمی سطح پر اپنا اثر ورسوخ کھو رہا ہے کیونکہ سمجھا یہ جا رہا ہے کہ کورونا وبا کے پھیلاؤ کا ذمہ دار چین ہے"۔ انہوں نے مزید کہا: "صنعتی کمپنیاں چین سے جانے کے لیے پر تول رہی ہیں؛ یہی چیز چین کو کرونا سے توجہ ہٹانے کی کوشش پر مجبور کر رہی ہے"۔ انہوں نے کہا کہ کرونا کے بعد کی دنیا میں "ہندوستان کے لیے بڑے مواقع ہوں گے کیونکہ طاقت کا توازن اب مغرب سے مشرق کی طرف جھک رہا ہے۔۔۔" (اناتولیہ ایجنسی، ترکی، 9جون 2020)۔ ایسا لگ رہا ہے کہ بھارتی جن مواقع کی بات کر رہے ہیں ان سے مراد غیر ملکی کمپنیوں خاص کر امریکی کمپنیوں کی چین سے بھارت منتقلی ہے۔ چین یہ دیکھ رہا ہے کہ امریکہ چین کا سامنا کرنے کے لیے بھارت کی صلاحیتوں میں اضافہ کر رہا ہے۔ امریکہ ہی نے ایٹمی قوت بننے میں بھارت کی مدد کی۔ اسی طرح اقتصادی اور تجارتی

تعلقات میں وہ بھارت کو امتیازی درجہ اور فوقیت دیتا ہے۔ امریکہ نے پاکستان کو انڈیا سے کشیدگی کم کرنے پر مجبور کیا تاکہ بھارت پاکستان کے حوالے سے بے فکر ہو کر دہائیوں سے پاکستانی سرحد پر موجود بڑے فوجی دستوں کو چینی سرحد پر منتقل کر سکے۔ بھارت کے حوالے سے امریکہ کی یہ پالیسی نئی نہیں بلکہ طویل عرصے سے ہے۔ آج امریکہ بھارت کو ساتھ لے کر بڑی عالمی کمپنیوں کو چین سے نکالنے کی کوشش کر رہا ہے، بھارت کو چین کا متبادل بنا رہا ہے یعنی چینی معیشت پر حملے کے لیے بھارت کو شریک بنا رہا ہے۔

3۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ عسکری لحاظ سے چین نے اپنی فوج کو بڑی حد تک جدید اور مضبوط کر لیا ہے۔ فوجی بجٹ کے لحاظ سے وہ امریکہ کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ چین کا 2019 کا دفاعی بجٹ 261 ارب ڈالر تھا جو کہ روس، برطانیہ اور فرانس کے مجموعی دفاعی بجٹ سے بھی زیادہ ہے۔ اگرچہ بھارت بھی 2019 میں تاریخ میں پہلی بار فوجی بجٹ کے لحاظ سے چین کے بعد تیسرے نمبر پر تھا جس کا فوجی بجٹ 72 ارب ڈالر پہنچ گیا تاہم چینی فوج (PLA) کے مقابلے میں بھارتی فوج کی صلاحیت بہت کم ہے۔ دونوں افواج کی صلاحیتوں میں اس فرق کی وجہ سے ہندوستان چین کے ساتھ کسی جنگ میں الجھنے سے قبل ہزار بار سوچتا ہے جبکہ 1962 میں حالات بالکل مختلف تھے۔ یہ سب اس کے باوجود ہے کہ لداخ کے متنازعہ علاقے میں روایتی ہتھیاروں میں بھارت کو برتری حاصل ہے، خاص طور پر اس وجہ سے کہ اُس کی فوج کا بڑا حصہ پاکستانی سرحد کے ساتھ تعینات ہے یعنی متنازعہ علاقے کے قریب، جبکہ چینی فوج اب تک اس علاقے میں تعینات نہیں تھی۔ متنازعہ علاقے میں دونوں ملکوں کی افواج کی صلاحیتوں کے حوالے سے یہ اسٹڈی امریکی ہارورڈ یونیورسٹی

نے کی ہے (31 مئی 2020 عربی پوسٹ)۔ تاہم یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ان جھڑپوں کے بعد چین اس علاقے میں اپنی فوجی قوت بڑھا رہا ہے اور مغربی سرحد پر ہندوستان کے مقابلے میں اپنی فوجی قوت میں اضافہ کر رہا ہے۔

4۔ مشرقی بارڈر پر 2017 میں ہونے والے بھارت چین تنازعے پر ہندوستانی وزیر اعظم نریندر مودی اور چینی صدر شی جین پینگ کے درمیان 2018 میں ملاقات کے ذریعے قابو پایا گیا (دونوں راہنماؤں نے اپریل 2018 میں ووھان میں ملاقات کی جس میں شی نے بھارت کا دورہ کرنے کی مودی کی دعوت قبول کی۔ یورونیوز عربی 9 دسمبر 2019)، تاہم چین بھارت موجودہ تنازعے کے پیچھے امریکی کوشش بھی کارفرما ہے، جس سے یہ تنازعہ مزید پیچیدہ ہو جاتا ہے اور حالات معمول پر آنا اور مشکل ہو جاتا ہے۔ چین ٹرمپ انتظامیہ کی جانب سے پیدا کردہ ان مسائل کو سمجھتا ہے اسی لیے (چینی صدر شی جین پینگ نے منگل کو کہا کہ "چین اپنی جنگی صلاحیت کی تیاری میں تیزی لے کر آئے گا، اور عسکری مہم کے لیے اپنی طاقت میں اضافہ کرے گا، کیونکہ کرونا وبا کے سائے میں ہماری قومی سلامتی کو خطرات لاحق ہیں" سپوٹنک، رشیا، 26 مئی 2020)۔

چین کے اس بیان سے صرف ہندوستانی خطرے کی طرف ہی اشارہ نہیں ملتا بلکہ امریکہ کی جانب سے چین پر کرونا وائرس کو پھیلانے کی ذمہ داری ڈالنے کے بعد چین امریکی خطرہ بھی محسوس کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چین فکرمند ہے اور اپنی عسکری قوت کے اظہار کا منصوبہ بنا رہا ہے تاکہ امریکہ اور خطے میں اس کے اتحادیوں بشمول ہندوستان کی جانب سے کسی عسکری مہم کو روکا جا سکے۔ گویا کہ یہ چین کی طرف سے اپنے قریبی دشمنوں کو پیغام ہے کہ وہ امریکہ سے تعاون نہ

کریں ورنہ چینی فوج ان کو بہت بڑے نقصان سے دوچار کر سکتی ہے۔ اپریل 2020 کے اوائل میں چین کی ریاستی سلامتی کی وزارت کی جاری کردہ ایک انٹیلیجنس رپورٹ، جس میں بیجنگ سے ایک بڑے عسکری خطرے کا سامنا کرنے کے لیے تیاری کا مطالبہ کیا گیا، شاید امریکہ کی جانب سے چین کے خلاف منصوبہ بندی کا انکشاف کرتی ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی جانب سے فوجی اخراجات میں بہت زیادہ اضافہ حتیٰ کہ تاریخ میں پہلی بار 2019 کے فوجی بجٹ کا 72 ارب ڈالر تک پہنچنا، اور بھارت کی جانب سے اسلحے کی خریداری کے بڑے بڑے معاہدے، یہ سب چین کے لیے براہ راست خطرہ ہے۔ چین پورے یقین کے ساتھ یہ بات جانتا ہے کہ بھارت اس کے خلاف امریکی جنگ کا آلہ کار ہے۔ بھارت کی جانب سے متنازعہ علاقے میں انفراسٹرکچر کی تعمیر اور اسلحے کے انبار لگانے میں تیزی، چین کو بھارت کے ساتھ تعلقات کے مستقبل کے حوالے سے شش و پنج میں ڈال رہی ہے۔

پانچواں:

جہاں تک حالیہ چین بھارت کشیدگی پر امریکی موقف کا تعلق ہے وہ واضح طور پر ہندوستان کی حمایت میں تھا۔ چنانچہ سفیر الیس ویلز، جو کہ امریکی دفترِ خارجہ میں پرنسپل ڈپٹی سیکریٹری آف سٹیٹ فار ساؤتھ ایشین افیرز کے عہدے پر فائز ہیں، نے لداخ میں چینی اقدامات پر تنقید کی اور ان کو جنوبی چین کے سمندر (South China Sea) میں چینی اشتعال انگیزی سے جوڑا (نیوز 18- 21 مئی 2020)۔ اسی طرح امریکی ایوان نمائندگان میں خارجہ امور کی کمیٹی کے سربراہ الیٹ ایل اینگل نے بیان جاری کرتے ہوئے کہا: "بھارت چین ایل اے سی پر مسلسل

ہونے والی چینی جارحیت پر مجھے سخت تشویش ہے، ایک بار پھر ثابت ہو گیا کہ چین بین الاقوامی قوانین کے مطابق تنازعات کو حل کرنے کی بجائے اپنے ہمسائیوں کے خلاف غنڈہ گردی کرتا ہے۔۔۔ میں چین سے کہتا ہوں کہ وہ اقدار کا احترام کرے اور ہندوستان کے ساتھ سرحدی تنازعات کو حل کرنے کے لیے سفارت کاری اور مروجہ طریقہ کار اختیار کرے"۔(امریکی فارین افیئرز میگزین 1 جون 2020)۔ یہ تو اس کے علاوہ ہے کہ امریکہ، بھارت چین سرحدی تنازعات سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور ان کو خطے میں چین کے اثر ورسوخ کی راہ میں رکاوٹ بننے کے لیے چین پر دباؤ ڈالنے کے لئے اپنے ہاتھ میں ٹُرپ کے پتے کے طور پر استعمال کر رہا ہے تاکہ ان جھڑپوں کے ذریعے چین کو مشغول کیا جائے اور اُس کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر کے تجارتی جنگ (Trade war) میں اس کو بلیک میل کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حالیہ جھڑپ کے بعد صدر ٹرمپ نے ثالثی کی پیشکش کی، جس کا مقصد دونوں کے درمیان صلح کے دوران اپنے مفادات کو محفوظ بنانا تھا۔ 27 مئی 2020 کو ٹرمپ نے ٹوئیٹ کیا کہ: "ہم نے چین اور بھارت کو پیغام دیا ہے کہ امریکہ دونوں کے درمیان حالیہ سرحدی تنازعے کے حل میں ثالثی کے لیے تیار اور اس کی قابلیت رکھتا ہے" (الحرہ 27 مئی 2020)۔ چین نے اس کو مسترد کر دیا (چینی وزارت خارجہ کے ترجمان زھاو لیجیان نے کہا کہ دونوں ممالک اپنے اختلافات کو حل کرنے کے لیے کسی تیسرے فریق کی "مداخلت" کو مسترد کرتے ہیں۔ اناتولیہ ایجنسی، ترکی، 9 جون 2020)۔

چھٹا:

اس کے باجود امریکہ باز نہیں آیا بلکہ پوری طرح اس خطے میں سرگرم رہا جس خطے کو وہ دنیا کا سب

سے اہم خطہ گردانتا ہے۔ اُس نے مسلسل چین پر دباؤ ڈالنے اور جنوبی چین کے سمندر (South China Sea) میں بلواسطہ اور بلاوسطہ اس کو تنگ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر امریکہ خود ہر جگہ جنگ لڑنے اور دنیا بھر میں اپنے اثرورسوخ کو برقرار رکھنے کے قابل نہیں رہا۔ اب وہ اس کے لیے علاقائی اور مقامی قوتوں پر انحصار کرتا ہے اوران کو اپنے مفاد میں استعمال کرتا ہے۔ اور پھر کرونا بحران آگیا: اِس بحران نے تو امریکہ کو مکمل بے نقاب کر کے رکھ دیا کہ یہ وہ ریاست نہیں جو کامیابی سے بحرانوں سے نمٹ سکے بلکہ یہ ثابت کیا کہ یہ ناکام ریاست ہے اور ایک وائرس کے سامنے بے بس ہے! اس کے بعد سفید فام امریکی پولیس کی جانب سے سیاہ فام امریکی شہری کو قتل کرنے کے واقعے نے تو امریکہ کو دنیا کے سامنے برہنہ کر دیا کہ یہ ایسی ریاست ہے جہاں نسلی امتیاز کی ایک دلدل ہے۔۔۔ جبکہ اس وقت چین ایک بڑی علاقائی قوت بن چکا ہے۔ لہٰذا امریکہ اپنے مفادات کی حفاظت اور اپنے اثرورسوخ کی بقاء کے لیے اب پہلے سے زیادہ دوسروں پر انحصار کرتا ہے۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ نے ہندوستان میں اپنے ایجنٹوں کو اقتدار تک پہنچایا تاکہ ہندوستان اس کے حکم کے تابع ہو، اور تمام نتائج اس کے حق میں ہوں اوراسکے ایجنٹ اس کے احکامات کی اتباع کریں۔ امریکہ نے بھارتیہ جنتا پارٹی کو اقتدار تک پہنچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، پس امریکہ کی وفادار بی جے پی نے پہلی بار واجپائی کی قیادت میں 1998 سے 2004 تک حکومت کی اور پھر اُسی سال ہونے والے انتخابات میں مدمقابل کانگریس سے ہار گئی۔ پھر 2014 میں وہ دوبارہ انتخابات جیت گئی اور بدستور اقتدار میں ہے۔ اس دوران امریکہ نے بھارت کو چین کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا اور بھارت کو اس کردار میں کامیاب کرنے کی خاطر امریکہ نے پاکستان کو

ہندوستان سے کسی قسم کی کشیدگی سے روکا تاکہ بھارت یکسو ہو کر چین کے لیے مسائل پیدا کرے۔ یہی وجہ ہے کہ 5 اگست 2019 کو ہندوستان کی جانب سے مقبوضہ کشمیر کو اپنا حصہ قرار دینے پر پاکستانی حکمرانوں نے حد درجے کی رسوا کن پسپائی دکھائی۔ ہم نے 18 اگست 2019 کے سوال کے جواب میں ذکر کیا تھا کہ ("امریکہ سمجھتا تھا کہ بھارت اور پاکستان کے درمیان کشمیر پر کشیدگی کی وجہ سے ہندوستان کو چین کے سامنے لاکھڑا کرنے میں مشکل پیش آرہی ہے۔۔۔اس کشیدگی کو کم کرنے کے لیے امریکہ نے ہندوستان پاکستان میں نارملائیزیشن کی ابتداء کی جس کا مقصد کشمیر کے لیے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان کسی ممکنہ جنگ کو روکنا اوراس کی بجائے چین کا راستہ روکنے میں امریکہ کی مدد کرنے پر توجہ مبذول کرنا تھا۔ امریکہ یہ سمجھتا تھا کہ ہندوستان کی جانب سے کشمیر پر قبضے کے بعد وہ پاکستانی حکمرانوں پر دباؤ ڈال کر عسکری کاروائی کے ذریعے کشمیر لینے کے موضوع کو دفن کر دے گا جیسا کہ وہ فلسطین میں محمود عباس حکومت اور دوسری عرب حکومتوں کے ذریعے عسکری کاروائی کے ذریعے فلسطین آزاد کرنے کے موضوع کو دفن کر چکا ہے اسی لیے یہود جب چاہتے ہیں جہاں چاہتے ہیں زمین پر قبضہ کر کے اس کو ضم کر لیتے ہیں!۔۔") پاکستانی حکمرانوں نے بھی امریکی احکامات کی من وعن پابندی کی چنانچہ پاکستانی وزیر اعظم عمران خان نے کہا: "ہندوستان کی جانب سے پاکستان پر حملے کی صورت میں پاکستان مناسب جواب دے گا۔۔"(اناتولیہ ایجنسی 30 اگست 2019) یعنی وہ کشمیر کی آزادی کے لیے کچھ نہیں کرے گا۔ اس کے ایک ماہ بعد اُنہوں نے کہا: "آرمی چیف باجوہ نے اُن کو اطمینان دلایا ہے کہ آزاد کشمیر پر بھارت کے حملے کی صورت میں ہم بھارت کو جواب دینے کے لیے تیار ہیں۔۔"(جیو نیوز

پاکستان26دسمبر2019)۔یعنی آزاد کشمیر پر حملے کی صورت میں تو ہم کچھ کریں گے لیکن مقبوضہ کشمیر کے لیے کچھ نہیں کریں گے!

ساتواں:

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے جو چین کے ساتھ مضبوط تعلقات رکھتا ہے، اکسائی چن کے اس علاقے پر اپنے حق کا دعویٰ ہی نہیں کرتا جس پر چین نے ہندوستان سے چھین کر قبضہ کر رکھا ہے جو کہ کشمیر کا حصہ ہے، نہ ہی وہ ہندوستان کے زیر قبضہ کشمیر کے لداخ کے علاقے پر اپنے حق کا دعویٰ کرتا ہے جبکہ چین اس کے ایک حصے پر دعویٰ کرتا ہے! اگرچہ پاکستان، چین اور بھارت کے درمیان تنازعے پر اپنی خوشی کا اظہار کرتا تھا، اس خیال سے کہ چین اُس کے بدترین دشمن ہندوستان کی ناک کاٹ دے گا، مگر اس بار وہ خاموش رہا۔ سی این این نیوز 18 نے 26 مئی 2020 کو اس خاموشی پر حیرانگی کا اظہار کیا، جس میں پاکستانی ذرائع ابلاغ بھی شامل ہیں، جنہوں نے اس تنازعے پر معمول کے مطابق اپنے موقف کا بھرپور اظہار نہیں کیا۔ یہ خاموشی امریکی دباؤ سے ہی ممکن تھی کیونکہ امریکہ چاہتا ہے کہ ہندوستان پاکستان سے کوئی خطرہ محسوس نہ کرے بلکہ اس کے حوالے سے مکمل بے فکر ہو وہ یہ نہ سمجھے کہ پاکستانی فوج اس انتظار میں ہے کہ کب بھارت کی چین کے ساتھ جنگ چھڑ جائے اور یہ بھی اس پر حملہ آور ہوں۔ یہ سب اس لیے کیا گیا تاکہ بھارت پاکستان سے بے فکر ہو کر اپنی فوج پاکستان کے بارڈر سے ہٹا کر چین کے بارڈر پر منتقل کرلے اور وہ چین پر دباؤ بڑھانے کی مضبوط پوزیشن میں ہو، نتیجتاً چین اپنی فوج کی توجہ چینی سمندر پر مرکوز کرنے کی بجائے اس کو تقسیم کرنے پر مجبور ہو جو اس کو کمزور کرے جس سے بغیر جنگ کے بھی وہ

کمزور ہو گا کیونکہ اس صورت میں اُسے ایک طرف تو جنوب مغرب میں ہندوستان کے خلاف اپنے عسکری وسائل تیار کرنے پڑیں گے اور دوسری طرف سمندر میں اپنے دو بڑے دشمنوں کے خلاف تیاری کرنا پڑے گی، جہاں امریکی بحریہ اور جاپانی فوج اپنی قوت میں اضافہ کر رہے ہیں۔

آٹھواں:

اس سب سے کشمیری مسلمان یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ان کی سرزمین دو کافر ریاستوں کے درمیان متنازعہ بن کر رہ گئی ہے جو دونوں اس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور اس کے وسائل کو لوٹنا چاہتے ہیں۔ جبکہ پاکستانی حکمران اور دوسرے مسلمان حکمران ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، بلکہ پاکستان ہندوستان کو نقصان سے بچانے کے لیے اپنے ملک میں کشمیر کے مسلح گروہوں کا پیچھا کر رہا ہے۔ پاکستان کا یہ اقدام اور چین بھارت تنازعہ کشمیر کے مسلمانوں کو بہت کمزور کر رہا ہے۔ کشمیری، جو پاک فوج کی مدد اور حمایت سے مضبوطی سے قابض ہندوستان کا سامنا کر رہے تھے آج وہ دو بڑی کافر ریاستوں کا سامنا کر رہے ہیں جبکہ پاکستان امریکہ کے حکم پر بھارت کے حق میں مزید علاقوں سے دستبردار ہو رہا ہے!!

کس قدر المناک بات ہے کہ اسلامی سرزمین پر تنازعہ ہندوستان اور چین کے درمیان ہو رہا ہے، خاص کر کشمیر اور ملحقہ علاقوں پر؛ ہندوستان مغربی بارڈر پر ان علاقوں کو واپس مانگ رہا ہے جن پر چین نے 1962 میں قبضہ کیا، یہ اسلامی سرزمین کشمیر کا اکسائی چِن کا علاقہ ہے اور چین اکسائی چِن کے پہلو میں لداخ کا علاقہ مانگ رہا ہے اور ان علاقوں پر یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ یہ سنکیانگ یعنی اسلامی مشرقی ترکستان کا حصہ ہیں۔ یعنی دونوں ممالک مسلمانوں کی سرزمین پر رسہ کشی کر رہے ہیں جبکہ

پاکستان امریکہ کی اطاعت کرنے کی وجہ سے پسپا ہو گیا ہے اور دوسرے مسلمان خاموش ہیں! مسلمان پر زندگی تنگ ہو چکی ہے اوران کے کئے کے بدلے ان کی حالت پتلی ہے، اللہ نے سچ فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكاً وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى * قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيراً * قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى﴾"

"جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا تو اس کی زندگی تنگ ہو گی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے کیوں اندھا کیا میں تو بینا تھا اسی طرح تمہارے پاس ہماری آیتیں آئیں تم نے ان کو بھلا دیا ہم بھی آج تمہیں بھلا دیں گے"۔۔۔

اے مسلمانو: تمہاری نجات اسی میں ہے کہ اللہ کی حکمرانی کو قائم کرکے اللہ کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی پیروی کرو۔ خلافتِ راشدہ ہی ہدایت کا راستہ اور جہاد کا طریقہ ہے۔ یہی عزت، طاقت اور شر سے بچاؤ کا راستہ ہے۔ ابو ہریرہ کی اس متفق علیہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا« :**الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ**»"یقیناً صرف خلیفہ ہی ڈھال ہے جس کی قیادت میں قتال ہوتا ہے اور جس کے ذریعے حفاظت ہوتی ہے" اے اہلِ بصیرت، اس پر غور کرو۔۔۔

30 شوال 1441

21 جون 2020

ختم شد

سوال کا جواب: آیا صوفیا میں نماز کی واپسی اور خلافت کی واپسی کے لیے آوزیں بلند ہونا !

سوال:

ہمیں معلوم ہے کہ محمد الفاتحؒ نے جب قسطنطنیہ کو فتح کیا تو آیا صوفیا(Hagia Sophia) کے کلیسا کو مسجد بنایا۔۔۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ مصطفی کمال اتاترک لعنۃ اللہ نے آیا صوفیا کی مسجد کو عجائب گھر بنا دیا۔۔۔ سنہ 2013 میں اردوگان نے مسلمانوں کی جانب سے آیا صوفیا کو دوبارہ مسجد بنانے کے مطالبے کو مسترد کر دیا۔۔۔ پھر اس سال اردوگان کے حکم سے ترک سپریم کورٹ نے آیا صوفیا کو دوبارہ مسجد بنانے کا فیصلہ صادر کیا۔۔۔ پھر 24 جولائی 2020 کو یہاں جمعہ کی نماز ادا کی گئی، اس کی دیواروں پر موجود تصاویر کو صرف نماز کے وقت ڈھانپا جائے گا۔ کیا اس طریقہ کار سے نماز کی ادائیگی درست ہو گی؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہ تصاویر کہاں سے آئیں، آیا صوفیا تو 500 سال سے صاف ستھری مسجد رہی ہے؟! محمد الفاتح کی جانب سے آیا صوفیا کو فتح کرنے کے حکمِ شرعی کے حوالے سے بھی ہمارے ذہنوں میں کچھ الجھن ہے۔ ہم امید کرتے ہیں اور آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ مفتوحہ علاقوں میں کفار کی عبادت خانوں کا شرعی حکم بیان کریں گے تاکہ ہمارے دل مطمئن ہوں، آپ کا شکریہ اور مہربانی۔

جواب:

ان سوالوں کے جواب کی وضاحت کے لیے ہم متعلقہ امور کو زیرِ بحث لائیں اور ساتھ ہی اس کا

شرعی حکم بیان کریں گے۔ اللہ کی توفیق سے ہم کہتے ہیں کہ:

اول: اس سے قبل 7 جمادی الاول 1441 ہجری کو ہم نے 1453ء بمطابق 857 ہجری میں قسطنطینیہ کی فتح کی یاد کی مناسبت سے اپنے بیان میں یہ بات کی تھی:

(۔۔۔ محمد الفاتح نے 26 ربیع الاول کو قسطنطنیہ پر حملہ اور اس کا محاصرہ شروع کیا، پھر 20 جمادی الاول 857 ہجری منگل کی صبح کو اسے فتح کیا، یعنی تقریباً دو مہینے محاصرہ جاری رہا۔ جس وقت محمد الفاتح فاتح کے طور پر شہر میں داخل ہوئے تو وہ گھوڑے سے اترے اوراس کامیابی اور فتح پر سجدہ شکر ادا کیا، پھر "آیا صوفیا" کے کلیسے کا رخ کیا جہاں بزنطینی قوم اور ان کے راہب جمع تھے، ان سب کو امان دی، اس کے بعد "آیا صوفیا" کلیسا کو مسجد میں تبدیل کرنے کا حکم دیا، اس کے بعد جلیل القدر صحابی ابو ایوب انصاریؓ کی قبر کے احاطے کو مسجد بنانے کا حکم دیا جو قسطنطنیہ کی فتح کی پہلی مہم میں شریک تھے۔۔۔ محمد الفاتح، جن کو اس فتح کے بعد ہی فاتح کا لقب دیا گیا، نے سابقہ دارالحکومت ادَرنہ کی جگہ قسطنطنیہ کو اپنا دارالحکومت قرار دے کر اس شہر کا نام تبدیل کرکے اس کو "اسلام بول" اسلام کا شہر یا" دار الاسلام" کا نام دیا جو بعد میں "استنبول" کے نام سے مشہور ہوا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد آیا صوفیا کا رخ کیا اور وہاں نماز ادا کی اور اللہ کے فضل و مہربانی سے یہ مسجد بن گئی۔۔۔

یوں رسول اللہ ﷺ کی وہ بشارت درست ثابت ہوئی جس کا ذکر عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں ہے کہ: جب ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ کر لکھ رہے تھے، آپ سے سوال کیا گیا کہ قسطنطنیہ اور روم میں سے کونسا شہر پہلے فتح ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «**مَدِينَةُ**

هِرَقْلَ تُفْتَحُ أَوَّلاً، يَعْنِي قُسْطَنْطِينِيَّةَ» "ہر قل کا شہر پہلے فتح ہو گا یعنی قسطنطنیہ"۔ اس کو احمد نے اپنے مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ " شیخین کی شرط پر صحیح حدیث ہے مگر انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی، ذھبی نے تلخیص میں اس پر یہ کہہ کر تبصرہ کیا ہے کہ "مسلم اور بخاری کی شرط پر"، اسی طرح عبد اللہ بن بشر الختعمی نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ، **«لَتُفْتَحَنَّ الْقُسْطَنْطِينِيَّةُ فَلَنِعْمَ الْأَمِيرُ أَمِيرُهَا وَلَنِعْمَ الْجَيْشُ ذَلِكَ الْجَيْشُ» "تم ضرور قسطنطنیہ کو فتح کرو گے وہ امیر کیا ہی بہترین امیر ہو گا اور وہ فوج کیا ہی بہترین فوج ہو گی"**۔ راوی کہتا ہے کہ مسلمہ بن عبد الملک نے مجھے بلا کر اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو میں نے اسے یہ حدیث سنائی اور اس نے پھر قسطنطنیہ پر حملہ کر دیا، اسے احمد نے روایت کیا ہے۔ مجمع الزوائد میں اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے "اس کو احمد، بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی قابل اعتماد ہیں"۔۔۔ یوں یہ فتح اُس نوجوان کے ہاتھوں ہوئی جس کی عمر 21 سال سے زیادہ نہیں تھی مگر ان کی بچپن سے زبردست تیاری و تربیت ہوئی تھی، ان کے والد سلطان مراد دوئم نے ان پر بھرپور توجہ مرکوز کی تھی، انہوں نے سلطان محمد کو اُس زمانے کے بڑے اساتذہ سے تربیت دلائی۔۔۔ جن میں سے "آق شمس الدین سنقر" بھی شامل تھے جنہوں نے سب سے پہلے بچپن سے ہی قسطنطنیہ کی فتح کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو ان کے ذہن میں بٹھایا۔ اسی لیے یہ نوجوان بڑا ہو رہا تھا تو اس فتح کے حصول کی آرزو کے ساتھ کہ یہ اس کے ہاتھوں ہو۔۔۔ اللہ نے اس پر اپنا فضل و احسان کیا، آپؒ کے حق میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف درست ثابت ہوئی اور آپ ہی

فاتح قائد بن گئے۔۔۔)۔

دوسرا: اُس وقت سے ہی آیا صوفیا عظیم اسلامی مسجد ہے جس کا مسلمانوں کے ہاں بلند مقام ہے۔ محمد الفاتح اور ان کے زمانے کے ماہرین فن نے اس کی دیواروں پر غیر اسلامی تصاویر کو مٹا دیا ،اور جن تصاویر کو مٹانا مشکل تھا انہیں رنگ یا کسی اور چیز سے دھندلا کر دیا۔ تب سے یہ ایک پاک صاف مسجد بن گئی جہاں مسلمان نماز ادا کرنے اور اس کامیابی اور فتح مبین پر اللہ کا شکر ادا کرنے لگے۔۔۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری وساری تھا یہاں تک کہ عہد ساز مجرم مصطفی کمال اتاترک نے 24 نومبر 1934 کو اپنے ایک منحوس فیصلے کے ذریعے اس کو عجائب گھر بنا دیا۔۔۔ اس سے قبل 1930 میں ہی ملعون نے مسجد کو بند کر دیا تھا[1930 سے 1935 تک آیا صوفیا کو نمازیوں کے لیے مرمت کا بہانہ بنا کر بند کر دیا گیا جو جمہوریہ ترکی کے بانی اتاترک ملعون کے حکم سے ہوا تھا۔ مرمت کے دوران اس میں مختلف تبدیلیاں کی گئیں۔۔۔ اس کے بعد 11 اپریل 1934 کو پارلیمنٹ کی قرار داد کے ذریعے اسے مسجد سے عجائب گھر بنایا گیا۔(اناتولیہ نیوز ایجنسی 2020/7/11 aa.com.tr/ar/190)]

یعنی اتنے عرصے مسجد کو بند رکھا گیا اس لیے یہ بعید از امکان نہیں کہ اس دوران مغرب سے کسی کو بلا کر اس کی دیواروں میں یہ نقش ونگار اور تصاویر بنائی گئیں اور پھر 1935 میں مذکورہ فیصلے کے ذریعے اس مسجد کو عجائب گھر میں تبدیل کرنے کا اعلان کیا گیا جس کا مقصد لوگوں کو یہ باور کرانا تھا کہ یہاں نصرانی آثار اور تصاویر ہیں۔۔۔! اس سے قبل مصطفیٰ کمال 1342 ہجری بمطابق 1924 عیسوی میں خلافت کو منہدم کرنے کا جرمِ عظیم انجام دے چکا تھا۔ کمال نے خلافت کی بحالی کی

دعوت کے خلاف وحشیانہ جنگ شروع کی، اسی طرح آیا صوفیا مسجد کی بحالی کی دعوت کو وحشیانہ طریقے سے کچلا۔۔۔اس کے باوجود مسلمانوں کی آیا صوفیا مسجد کی بحالی کے شوق میں کمی نہیں آئی۔ المدن ویب سائٹ نے 26مارچ2019 کو رپورٹ شائع کی کہ [ترکوں کی بڑی تعداد آج بھی آیا صوفیا مسجد کی بحالی کی راہ دیکھ رہی ہے۔ (27 مئی 2012 کو محمد الفاتح کی جانب سے قسطنطنیہ فتح کرنے کے 559 ویں سالگرہ کے موقع پر ہزاروں مسلمانوں نے آیا صوفیا میں نماز پر پابندی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اس کے سامنے میدان میں نماز ادا کی، اس دفعہ احتجاج کرنے والے نعرے لگا رہے تھے "بیڑیاں توڑ دو۔۔۔ آیا صوفیا کو کھول دو۔۔۔اسیر مسجد کو آزاد کرو") احتجاج کرنے والوں کے عزائم بلند تھے مگر وزیر اعظم اردوگان نے 2013 میں احتجاج کرنے والے والوں کو جواب دیتے ہوئے کہا وہ کبھی آیا صوفیا کو دوبارہ مسجد بنانے پر غور نہیں کرے گا۔۔۔المدن وئب سائٹ)]۔

تیسرا: اردوگان کا نقطہ نظر 31 مارچ2019 کو ترکی میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات کی مہم کے دوران بدل گیا، جب اس نے اپنی گرتی ہوئی مقبولیت کا مشاہدہ کیا اور بھانپ لیا کہ خطرے کی گھنٹی بج چکی ہے اور اپنی مقبولیت میں اضافے کے لیے آیا صوفیا کو دوبارہ مسجد بنانے سے پارلیمانی انتخابات میں زیادہ ووٹ ملیں گے اس لیے انتخابی مہم کے عروج پر: [صدر اردوگان نے جمعہ کے دن کہا کہ ہفتے کے دن کے انتخابات کے بعد استنبول کا "آیا صوفیا" عجائب گھر سے دوبارہ مسجد میں تبدیل ہونا چاہیے۔ اگلے دن ہفتے کو ترکی میں بلدیاتی انتخابات تھے؛ 2014 کی طرح "جسٹس اینڈ ڈیویلپمنٹ پارٹی" انتخابات جیت رہی ہے۔۔۔الجزیرہ نیٹ 30 مارچ 2019]۔ جبکہ مسلمان یہ

جانتے ہیں کہ آیا صوفیا کا دوبارہ مسجد بننا اسلام سے، اسلامی ریاست سے، خلافت سے مربوط ہے۔ آیا صوفیا خلافت کی نمایاں مسجد تھی، یہ کامیابی اور فتح مبین کی نشانی تھی، صادق اور امین رسول ﷺ کی بشارت کے پورا ہونے کی نشانی تھی۔۔۔سچے مومن یہی چاہتے ہیں: یہ خلافت کے سائے تلے آئے، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے سائے تلے آئے، نہ کہ لبرل اور من گھڑت نظام کے سائے تلے رہے! یہی وجہ ہے کہ اردوگان کی پارلیمانی انتخابی مہم سے آیا صوفیا دوبارہ مسجد نہیں بنی، اسی لیے وہ استنبول اور انقرہ جیسے اسلام کے دو عظیم شہروں میں ہار گیا، وہ بھی کس کے مقابلے میں؟ نیشنل پارٹی کے مقابلے میں، جو کہ مصطفی کمال کی باقیات ہیں جس نے آیا صوفیا مسجد کو عجائب گھر بنایا تھا!! لوگ ان پارٹیوں کے درمیان فرق نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے کوئی بھی آیا صوفیا کو خلافت کے سائے تلے لانا نہیں چاہتی!

چوتھا: اردوگان یہ نہیں سمجھ سکا کہ آیا صوفیا مسجد کا بحال ہونا خلافت کے بحال ہوئے بغیر بارآور ثابت نہیں ہوگا اور نہ ہی خلافت کے بغیر اس کو خاطر خواہ مقبولیت حاصل ہوگی۔ اس نے اگرچہ انتخابات کے نتائج میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر وہ اسی راہ پر گامزن رہا! اسی طرح اس کے حکم اور رغبت سے ترک سپریم کورٹ نے 10 جولائی 2020ء کو استنبول کی آیا صوفیا مسجد کو دوبارہ عجائب گھر سے مسجد بنانے کا فیصلہ صادر کیا مگر اس کے خلافت کی دوبارہ واپسی سے منسلک ہونے کا کوئی ذکر نہیں کیا، اور پھر 24 جولائی 2020 کو لبرل نظام اور خود ساختہ قوانین کی موجودگی میں ہی آیا صوفیا میں نماز جمعہ ادا کی گئی!!

نماز کی ادائیگی نے مسلمانوں کی خلافت کی واپسی اور آیا صوفیا کے دوبارہ مسجد بننے کے شوق کو واضح

کیا جیسا کہ وہ 500 سال تک مسجد رہی تھی، پس مسلمان بہت خوش تھے جیسا کہ خطیب علی ارباش، جو کہ ترکی کے مذہبی امور کے وزیر بھی ہیں، نے 90 سال بعد آیا صوفیا میں نماز کی بحالی پر کہا: [اس تاریخی دن یہاں جمع ہونے پر ہم اپنے رب عزوجل کا بہت حمد وثنا کرتے ہیں اور درود سلام بھیجتے ہیں رسول اکرم ﷺ پر جنہوں نے ہمیں خوشخبری دی تھی کہ، **«لَتُفتَحَنَّ القُسْطَنْطِينِيَّةُ؛ فَلَنِعْمَ الأَمِيرُ أَمِيرُهَا، وَلَنِعْمَ الْجَيْشُ ذَلِكَ الْجَيْشُ»..."تم ضرور قسطنطنیہ فتح کروگے، کیا بہترین امیر ہو گا وہ امیر اور کیا بہترین فوج ہو گی وہ فوج"**۔۔۔ اور سلام ہو ان صحابہ کرامؓ پر جو اس بشارت کا حق دار بننے کے لیے اللہ کی راہ میں نکلے اور ان کے پیشرو ابو ایوب انصاریؓ جنہیں استنبول شہر کا معنوی بانی سمجھا جاتا ہے، ان کی راہ پر چلنے والے تمام لوگوں پر اللہ کی رحمت ہو، ہمارے شہداء پر، ہمارے جنگجوؤں پر، جنہوں نے اناطولیہ کو ہمارا وطن بنایا اور اس کا دفاع کیا جہاں ہم امن سے رہ رہے ہیں۔

سلامتی ہو "آق شمس الدین" پر جو کہ صاحب علم اور حکمت تھے جنہوں نے محمد الفاتح کے دل پر فتح کی محبت کو نقش کیا، جنہوں نے یکم جون 1453 کو مسجد آیا صوفیا میں پہلی نماز کی امامت کی اور سلام ہو اس ذہین نوجوان سلطان محمد خان فاتح پر۔۔۔ جو اللہ کے فضل اور مہربانی سے استنبول کو فتح کرنے میں کامیاب ہوا۔۔۔ سلام ہو بڑے ماہر فن معمار سنان پاشا پر جس نے آیا صوفیا کے میناروں کو مزین کیا۔۔۔

یقیناً آیا صوفیا فتح کی نشانی اور فاتح کی امانت ہے۔ سلطان محمد خان الفاتح نے اسے وقف کیا، اسے مسجد بنا کر تا قیامت وقف قرار دیا، اپنے عہد میں ہی اسے مومنوں کے لیے چھوڑ دیا، ہمارے عقیدے

کے مطابق وقف املاک پر دست درازی جائز نہیں ،اس وقت وقف کرنے والے کی شرط ہی درست ہے جس نے اپنی ملکیت کو وقف کیا تھا، اس میں دست درازی کرنے والے پر لعنت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیا صوفیا اس وقت سے آج تک نہ صرف ہمارے ملک کی مقدس امانت ہے بلکہ یہ امت محمد ﷺ کی مقدس امانت ہے۔۔۔ aa.com.tr/ar/192 2020/7/24 اناتولیہ استنبول)۔]

پانچواں: مسلمانوں کے اندر اسلام ایک بار پھر انگڑائیاں لینے لگا خاص کر جب انہوں نے قسطنطنیہ کی فتح کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی بشارت کے بارے میں سنا، اسی چیز نے آیا صوفیا کو مسجد بنایا اور استنبول اور اس کی مسجد 500سال تک خلافتِ عثمانیہ کا مرکز بنے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر خلافت کے متعلق جذبات میں حرکت پیدا ہو گئی، بلکہ بعض ذرائع ابلاغ نے اعلانات کیے جیسا کہ میگزین "جیر شیک حیاۃ- حقیقی زندگی" میں آیا، شرق الاوسط نے منگل 7 ذوالحجہ 1441 ہجری بمطابق 28 جولائی 2020 کو ذکر کیا کہ:[اس دوران جیر شیک حیاۃ - حقیقی زندگی میگزینGerçek Hayat (Real Life) Magazineنے پرسوں اپنے نئے شمارے کے سرورق پر براہ راست ترکی میں خلافت کے دوبارہ قیام کے اعلان کی دعوت دی۔ میگزین نے اپنے سرورق پر عربی میں یہ عبارت شائع کی "اب نہیں تو کب؟"]۔ اردوگان کو اس دعوت کا مثبت جواب دینا چاہیے تھا مگر اس کی پارٹی کے ترجمان اس کے خلاف بیان دیا:[انقرہ (ترک زمان اخبار)- ترکی کی حکمران جماعت جسٹس اینڈ ڈیویلپمنٹ پارٹی کے ترجمان نے آیا صوفیا مسجد کے افتتاح کے بعد خلافت کے قیام کے اعلان کی دعوت کو مسترد کیا۔ جبکہ

میگزین جیر شیک حیات- حقیقی زندگی نے اپنے شمارے کے سرورق پر خلافت اسلامیہ کی احیاء کی دعوت دی تھی۔شالیک نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ترکی ایک قانونی جمہوری لبرل اور اجتماعی ریاست ہے، ترکی میں سیاسی نظام کو تبدیل کرنے کی باتیں غلط ہیں۔۔۔پھر کہا"میں آزادی کی جنگ کے قائد اور جمہوریہ ترکی کے بانی اور پہلے صدر مصطفیٰ کمال اتاترک اور اسی طرح جنگِ آزادی کے تمام قائدین کو سلام پیش کرتا ہوں۔ ہم اپنے ماہر صدر کی قیادت میں اپنی عوام کی خواہشات کے مطابق محفوظ اور راسخ اقدامات کرتے رہیں گے۔ہماری دعائیں اپنی عوام کے ساتھ ہیں اور ہمارا ہدف متحد ملک ہے،جمہوریہ ترکی زندہ باد۔۔۔"(زمان ترکی اخبار27/7/2020)]۔یوں حکمران جماعت کے ترجمان نے یہ انکشاف کیا کہ معاملہ اللہ کے لیے نہیں بلکہ فانی دنیا کے مفادات کے لیے ہے!

اس طرح معاملات کو سرانجام نہیں دیا جاتا اے جمہوریہ ترکی کے صدر!اگرچہ ہر مسلمان آیا صوفیا کے دوبارہ مسجد بننے پر خوش ہے مگر ہر سچا مسلمان اس کو محمد الفاتح کی طرح کامیابی اور فتح مبین کی علامت بنانا چاہتا ہے، خلافتِ عثمانیہ کی تاریخ روشن چنگاری ہے،جو کہ اسلامی خلافت تھی۔ ہر سچا مسلمان رسول اللہ ﷺ کی بشارت کو حقیقت کا روپ دینا چاہتا ہے کہ اس مسجد پر اسی طرح اسلامی پرچم لہرائے جس طرح 500 سال تک خلافت کا پرچم لہراتا رہا،نہ کہ آیا صوفیا مسجد کی بحالی بلدیاتی یا پارلیمانی انتخابات میں کامیابی جیسے فانی دنیاوی مفاد کے لیے ہو!جس پر اسی طرح لبرل ازم اور خودساختہ قوانین کا پرچم لہراتا رہے جس سے مسلمانوں کے مفادات کی بجائے کافر استعماریوں کے مفادات کی حفاظت ہو!

چھٹا: جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جو سوال کے آخر میں آیا ہے "محمد الفاتح کی جانب سے آیا صوفیا کو فتح کرتے وقت اس کے حکم شرعی کے حوالے سے ہمارے ذہنوں میں کچھ الجھن ہے، جس کی ہم امید کرتے ہیں اور آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ مفتوحہ علاقوں میں کفار کے عبادات خانوں کے شرعی حکم کے حوالے سے وضاحت کریں، تاکہ جواب سے ہمارے دل مطمئن ہوں۔۔۔"

میرے بھائی شرعی حکم کے حوالے سے الجھن درست نہیں، خواہ اس کے بعض فروع کے حوالے سے مسلمان فقہاء کے ہاں مختلف آراء بھی ہوں وہ ان کے نزدیک راجح شرعی دلائل کی بنیاد پر ہے جن سے استدلال ان کے نزدیک درست ہے، اس لیے اس میں کوئی الجھن نہیں۔۔۔

یہ مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں بلکہ فقہاء نے پہلے ہی اس پر بحث کی ہوئی ہے ان پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے:

مفتوحہ علاقے مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک قسم کے تحت آتے ہیں:

1۔ جس علاقے کا منصوبہ ہی مسلمانوں نے بنایا اور اس کو آباد کیا جیسے کوفہ، بصرہ اور واسط وغیرہ، ایسے شہر میں کلیسا یا بیعہ (یہودی عبادت گا) بنانا ہی جائز نہیں، جہاں تجارت۔۔۔الخ کے لیے آنے والے ذمیوں کو شراب پینے، خنزیر رکھنے کی اجازت ہی نہیں دی جائے گی **کیونکہ یہ وہ دار الاسلام ہے جس کو آباد ہی مسلمانوں نے کیا ہے**۔۔۔ اور ایسا رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی وجہ سے ہے کہ: **«لا تُبْنَىَ بيعةٌ في الإسلام ولا يجدد ما خرب منها»** **"اسلام میں گرجا گھر نہیں بنایا جاسکتا اور نہ ہی جو ویران ہو چکا ہو اس کی تجدید نہیں کی جاسکتی ہے"**۔ اس کو علاء الدین البرھان پوری (متوفی 975ہجری) نے کنزل اعمال فی سنن الا قوال والافعال میں ابن

عساکر سے، انہوں نے عمر سے روایت کیا ہے، اسی طرح سیوطی نے اسے جامع الکبیر میں روایت کیا ہے، ابنِ عباس کے حوالے سے عکرمہ نے روایت کیا ہے کہ: **«أَيُّمَا مِصْرٍ مَصَّرَتْهُ الْعَرَبُ فَلَيْسَ لِلْعَجَمِ أَنْ يَبْنُوا فِيهِ بِنَاءً، أَوْ قَالَ: بِيعَةً» "جس جگہ کو عرب (مسلمان) آباد کریں تو عجمیوں (یعنی غیر مسلموں) کو وہاں کوئی عمارت بنانے کی اجازت نہیں، یا انہوں نے کہا کہ کوئی بیعہ (گرجا گھر) بنانے کی اجازت نہیں"**۔ اسے ابنِ ابی شیبہ نے اپنی کتاب 'مصنف' میں روایت کیا ہے۔

2۔ جس علاقے کو مسلمانوں نے صلح سے فتح کیا ہو وہاں کے صومعوں (مندروں) اور کلیساوں (گرجا گھروں) کا حکم وہی ہے جس پر صلح ہوئی ہو، بہتر یہ ہے کہ ان کے ساتھ ویسا ہی معاہدہ کیا جائے جیسا کہ خلیفہ راشد عمرؓ نے 15 ہجری بمطابق 638 عیسوی میں ایلیا (القدس) والوں کے ساتھ "عہد عمری" کے نام سے اس وقت کیا جب مسلمانوں نے اس کو فتح کیا۔

3۔ جس علاقے کو مسلمانوں نے بزور قوت فتح کیا ہو وہاں غیر مسلم کوئی بھی نئی چیز تعمیر نہیں کر سکتے کیونکہ یہ مسلمانوں کی ملکیت بن چکی ہے، فتح سے قبل جو موجود ہو اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ مسلمانوں نے اس علاقے کو بزور قوت فتح کیا اور وہ مسلمانوں کی ملکیت بن گئی، یعنی دارالاسلام، اس لیے وہاں بیعہ یا کلیسا کا ہونا جائز نہیں یہ اس شہر کی طرح ہے جس کو مسلمانوں نے بسایا ہو۔

دوسرا یہ کہ ان کی عبادت گاہوں کو باقی رکھا جائے کیونکہ ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ جس کو

ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں روایت کیا ہے: «أَيُّمَا مِصْرٍ مَصَّرَتْهُ الْعَجَمُ يَفْتَحُهُ اللَّهُ عَلَى الْعَرَبِ وَنَزَلُوا يَعْنِي عَلَى حُكْمِهِمْ فَلِلْعَجَمِ مَا فِي عَهْدِهِمْ...» "جس علاقے کو عجم (غیر مسلم) نے بسایا ہو اور پھر مسلمان اس کو فتح کریں، عجم کے ساتھ جو عہد ہوا اسی کی پابندی کی جائے گی۔۔۔"۔

یوں جس علاقے کو مسلمان بزور قوت فتح کریں اس کے حوالے سے اختیار فاتح کا ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے مفادات اور مسلمانوں اور اہل ذمہ کے امور کی دیکھ بھال کو پیش نظر رکھ کر فیصلہ کرے۔۔۔ چونکہ قسطنطنیہ کا موضوع بزور قوت فتح کے باب میں داخل ہے اسی لیے مزید اطمینان کے لیے میں بعض فقہاء کے آراء نقل کرتا ہوں:

ا۔ محمد شربینی (متوفی 977 ہجری) کی کتاب "مغنى المحتاج الى معرفة الفاظ المنهاج" جو کہ نووی (متوفی 676 ہجری) کی منہاج الطالبین کے متن کی شرح ہے، میں آیا ہے کہ:

" ہم ایسے علاقے میں انہیں کلیسا بنانے سے روکیں گے جسے ہم نے آباد کیا یا اس کے باشندے اسلام قبول کر چکے، جس علاقے کو بزور قوت فتح کیا گیا ہو وہاں ان کو نئے عبادت خانے بنانے کی اجازت نہیں ہو گی، جو کلیسا پہلے سے موجود ہو، صحیح قول کے مطابق اس کو نہیں ڈھایا جائے گا۔ اسی طرح جو علاقہ اس شرط پر صلح سے فتح ہوا ہو کہ زمین ہماری ہے انہیں رہنے کی اجازت ہے ان کے کلیسا باقی رہیں گے یہ جائز ہے، اگر صلح مطلق (غیر مشروط) ہو تو صحیح قول کے مطابق ان کو نئے عبادت خانے بنانے سے روکا جائے۔ اگر ان کو (صلح کے معاہدے میں) اجازت دینے کا فیصلہ کیا

گیا ہو تو صحیح قول کے مطابق انہیں بنانے دیا جائے گا"۔

تشریح: (ہم ان کو روکیں گے) فرض ہے (نئے کلیسا بنانے سے)، راہبوں کے لیے بیعہ اور صومعہ بنانے سے، اور مجوسیوں کے لیے آتش کدہ بنانے سے (اس شہر میں جس کو ہم مسلمانوں نے بسایا ہو)۔۔۔(یا) اس (شہر میں جس کے رہنے والوں نے اسلام قبول کیا ہو)۔۔۔) اور جو علاقہ (بزور قوت فتح کیا گیا ہو) جیسے مصر، اصفہان، مراکش (وہاں نئے عبادت خانے نہیں بنا سکتے)؛ کیونکہ اس کو فتح کر کے مسلمان اس کے مالک بن گئے اس لیے وہاں کلیسا بنانے سے روکا جائے گا، جس طرح نیا بنانا جائز نہیں ویسے ہی پرانے کی مرمت بھی جائز نہیں (صحیح قول کے مطابق پرانے کلیسا کو بحال نہیں کیا جائے گا) جیسا کہ گزر گیا۔۔۔ دوسرا قول یہ ہے کہ بحال رکھا جائے گا؛ ممکن ہے مصلحت کا تقاضا ہو اور اختلاف فتح کے موقعے پر ہونے والے معاہدے کے حوالے سے ہے۔۔۔)۔

ب۔ کمال الدین المعروف ابنِ ھمام (متوفی 861 ہجری) کی فتح القدیر میں ہے (فقہ حنفی):

[دوسرا یہ کہ جس علاقے کو مسلمان بزور قوت فتح کریں وہاں بالاجماع کوئی نئی چیز بنانا جائز نہیں، جو پہلے سے موجود ہو کیا اس کو منہدم کرنا جائز ہے؟ ایک قول کے مطابق مالک اور شافعی اور احمد کی ایک روایت کے مطابق اس کو گرانا فرض ہے۔ ہمارے نزدیک ذمہ داری خود ان پر ڈالنی چاہیے کہ وہ اپنے کلیساوں کو رہائش گاہ بنالیں، انہیں وہاں عبادت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی مگر ان کو گرایا بھی نہیں جائے گا، یہ شافعی کا بھی قول ہے اور اور احمد سے بھی روایت ہے کیونکہ صحابہؓ نے بہت سارے علاقوں کو بزور قوت فتح کیا مگر کسی کلیسا یا نہ کسی صومعے کو منہدم کیا، ایسی کوئی روایت موجود نہیں]۔

ج۔ابن قدامہ (متوفی 620ہجری) کے المغنی میں آیا ہے کہ:

(دوسری قسم وہ علاقہ ہے جس کو مسلمان بزور قوت فتح کریں تو وہاں کسی قسم کی نئ عبادت گاہ کی تعمیر جائز نہیں؛ کیونکہ یہ مسلمانوں کی ملکیت بن گئی ہے، جو پہلے سے موجود ہو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس کا انہدام واجب ہے اس کو باقی رکھنا حرام ہے کیونکہ یہ علاقہ اب مسلمانوں کی ملکیت ہے، یہاں بیعہ (گرجا گھر) ہونا جائز نہیں یہ اس علاقے کی طرح ہے جس کو مسلمانوں نے بسایا ہوا)۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جائز ہے؛ کیونکہ ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ، **«أَيُّمَا مِصْرٍ مَصَّرَتْهُ الْعَجَمُ، فَفَتَحَهُ اللَّهُ عَلَى الْعَرَبِ، فَنَزَلُوهُ، فَإِنَّ لِلْعَجَمِ مَا فِي عَهْدِهِم» " جس علاقے کو عجمیوں نے آباد کیا ہو پھر مسلمان اسے فتح کریں تو عجمیوں کے ساتھ جو معاہدہ ہو اس کی پاسداری کی جائے گی"۔**

ساتواں: پس سوالات کے مختصر جوابات یہ ہیں:

1۔ اگر صلح سے علاقہ فتح ہو جائے تو صلح کی شرائط پر عمل کیا جائے گا، اس میں بہتر وہی ہے جو القدس کی فتح کے بعد عہد عمری میں کیا گیا۔۔۔

2۔ جو علاقہ بزور قوت فتح کیا جائے اس کے حوالے سے اختیار فاتح مسلمان حکمران کا ہے، چاہے وہ ان کی عبادات کی جگہوں کو باقی رکھے یا منہدم کرے وہ اسلام اور مسلمانوں کے مفادات اور اسلام کی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر مسلمانوں اور ذمیوں کے امور کی دیکھ بھال کو مد نظر رکھ کر اپنی صوابدید فیصلہ کرے گا۔

3۔اسی لیے محمد الفاتح رحمہ اللہ رضی اللہ عنہ نے آیا صوفیا کو جو مسجد بنایا، یہ اس کے اختیارات میں شامل تھا کیونکہ علاقہ بزور قوت فتح کیا گیا تھا۔

4۔ ایسی روایات بھی موجود ہیں کہ محمد الفاتح نے روم کے آر تھوڈکس پوپ کو قیمت ادا کر کے آیا صوفیا کو خرید کر مسجد میں تبدیل کیا جو کہ ذمیوں کے ساتھ حسن معاملہ کی نشانی ہے، یعنی استنبول کے نصاریٰ کے ساتھ حسن سلوک کا ثبوت ہے۔ ان روایات کے مطابق تاریخی دستاویزات سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ سلطان (محمد ثانی) المعروف (محمد الفاتح) نے مذکورہ قیمت (ریاستی اموال سے نہیں بلکہ) اپنے ذاتی مال سے اپنے نام سے خریدا اور اپنی ذاتی ملکیت بنایا، خرید و فروخت اور ملکیت سے دستبرداری کے معاہدے اس کی توثیق کی گئی، قیمت ادا کر کے اس کی رسید وصول کی گئی، یہ سب قسطنطنیہ شہر کی فتح کے بعد خلافتِ عثمانیہ میں اپنے دورِ حکومت میں کیا، پھر اس جائیداد کو "ابو الفاتح سلطان محمد الفاتح" کے نام سے وقف کیا۔ چاہے یہ روایات درست ہوں یا اس میں سوال ہو، جو حکمران اسلام کے ذریعے حکمرانی کرتا ہو کفار کے علاقے کو فتح کرے وہ اس علاقے میں ان کے عبادت خانوں کو باقی بھی رکھ سکتا ہے اور باقی نہ رکھنا بھی اس کے لیے جائز ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔۔۔

5۔رہی بات دیواروں پر موجود ان تصاویر کی جن پر نماز کے وقت پردہ ڈالا جاتا ہے کیا ایسی صورت میں نماز درست ہے۔۔۔ اگر ان پر پردہ ڈالا گیا ہو تو وہاں نماز درست ہے۔۔۔ مگر نماز کے بعد ان کو دوبارہ کھولنا جائز نہیں ایسا کرنے پر حکمران گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو گا۔ شرعی حکم یہ ہے کہ مسجد کی دیواروں پر بلکہ ہر جگہ تصویر حرام ہے، جہاں ملے اس کو مکمل طور پر ملیامیٹ کیا جائے

تا کہ وہ پھر نظر نہ آئے، اس کے دلائل یہ ہیں:

۔بخاری نے عکرمہ سے انہوں نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ، **«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا رَأَى الصُّوَرَ فِي الْبَيْتِ "يعني الكعبة" لَمْ يَدْخُلْ حَتَّى أَمَرَ بِهَا فَمُحِيَتْ...» "جب نبی ﷺ نے بیت اللہ میں تصاویر دیکھی تو آپ اس میں داخل نہ ہوئے اور انہیں ملیامیٹ کرنے کا حکم دیا۔۔"** اسے ابنِ حبان نے بھی اپنے صحیح میں روایت کیا ہے۔

احمد نے اپنے مسند میں جابر بن عبد اللہؓ سے روایت کیا ہے کہ، **«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهَى عَنِ الصُّوَرِ فِي الْبَيْتِ وَنَهَى الرَّجُلَ أَنْ يَصْنَعَ ذَلِكَ وَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ زَمَنَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِالْبَطْحَاءِ أَنْ يَأْتِيَ الْكَعْبَةَ فَيَمْحُوَ كُلَّ صُورَةٍ فِيهَا وَلَمْ يَدْخُلِ الْبَيْتَ حَتَّى مُحِيَتْ كُلُّ صُورَةٍ فِيهِ» " نبی ﷺ نے گھر میں تصاویر رکھنے سے منع کیا اور آدمی کو مصوری (مجسمہ سازی) سے روکا۔۔۔ فتح کے دن بطحا سے عمر کو بلا کر ان کو کعبہ میں موجود تمام تصاویر مٹانے کا حکم دیا اور ان کو مکمل مٹانے تک کعبہ میں داخل نہ ہوئے"** اسے بیھقی نے بھی سنن الکبریٰ میں روایت کیا ہے۔

اس لیے مسجد یا مصلیٰ میں کسی بھی وقت تصاویر رکھنا منع ہے، نہ کہ نماز کے وقت ڈھانپ کر بعد میں کھولا جائے، ایسا کرنے والا حکمران گنہگار ہے۔

آخر میں میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ اللہ مسلمانوں میں سے ان لوگوں کے ہاتھوں جلد سے جلد خلافت کو قائم کرے جو اس کے قیام کی جدوجہد کر رہے ہیں تا کہ ان کے ہاتھوں رسول اللہ ﷺ کی تمام بشارتیں پوری ہوں جیسے فلسطین کی یہودی نجاست سے آزادی، قسطنطنیہ کے بعد روم کی فتح، زمین کا اسلام کے نور سے منور ہونا اور اسلام کے پرچم کا تمام پرچموں سے بلند ہونا۔

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُون

"اللہ اپنے امر میں غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے"(یوسف:21)۔

یوم عرفہ 1441 ہجری

30جولائی2020عیسوی

امیر حزب التحریر

ختم شد

مقبوضہ کشمیر کو اس خلیفہ کا انتظار ہے جو اس کے بچوں کی چیخ و پکار کا جواب مسلم افواج کو اس کی آزادی کے لیے حرکت میں لا کر دے

یکم جولائی 2020 کو مقبوضہ کشمیر میں ہندو ریاست کی سیکیورٹی فورسز کے ہاتھوں ایک بوڑھے مسلمان کی شہادت کے بعد مظاہرے پھوٹ پڑے۔ ہندو ریاست کی سیکیورٹی فورسز نے سوپور میں اِس بوڑھے شخص کو اُس کی گاڑی میں سے کھینچتے ہوئے نکالا اور اُس کے تین سال کے پوتے کے سامنے گولیاں مار دیں جو اپنے داداکے ساتھ گاڑی میں سفر کررہا تھا۔ سوشل میڈیا اور عالمی میڈیا پر اس واقع کی ایک تصویر وائرل ہوگئی جس میں یہ بچہ اپنے دادا کی لاش پر بیٹھا ہے۔ اس تصویر نے پاکستان کے مسلمانوں میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی جو اسلامی امت کی جسم پر لگنے والے اس زخم، مقبوضہ کشمیر، اور اس سے مسلسل بہنے والے خون کی وجہ سے تکلیف اور پریشانی کا شکار ہیں۔

اے پاکستان کے مسلمانو ! ہماری تکلیف اور پریشانی کی وجہ ہماری ڈھال ، خلافت، کی عدم موجودگی اور ایسے حکمرانوں کی موجودگی ہے جنہوں نے گمراہی کے راستے کو اپنالیا ہے اور ہمیں بھی اسی گمراہی کے رستے پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں۔ 5 اگست 2019 سے ہندو ریاست کے بت پرست مشرکین نے مقبوضہ کشمیر کے ہمارے مسلمان بہن بھائیوں پر جنگ مسلط کررکھی ہے، مقبوضہ کشمیر کو زبردستی بھارتی یونین میں شامل کرلیا گیا، اور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو پیلٹ گن کے چھروں سے اندھا اور بندوق کی گولیوں سے چھلنی کیا جا رہا ہے - یہ بات واضح ہے کہ مسلمانوں پر ہونے والے بدترین مظالم کے خلاف موجودہ حکمرانوں کا خون کبھی جوش نہیں مارے گا اور وہ ہماری حرمتوں

کے تحفظ کے لیے کبھی بھی حرکت میں نہیں آئیں گے۔ اس کے برخلاف یہ حکمران "بین الاقوامی برادری "سے التجائیں اور ٹویٹس کرتے ہیں اور اپنے اس بزدلانہ طرز عمل کو ایسے پیش کرتے ہیں جیسے انہوں نے اپنا حق ادا کردیا ہو۔ بین الاقوامی برادری پتھر کا وہ بت ہے جو کبھی بھی مسلمانوں کی مدد کے لیے نہ تو کچھ بولتا ہے اور نہ ہی کوئی عمل کرتا ہے ۔ بلکہ اس کے برعکس یہ اقوام متحدہ ہی ہے جو ہر اس چھوٹی بڑی ریاست کی زبانی اور عملی مکمل پشت پناہی کرتی ہے جو مسلمانوں کی حرمات کو پامال کرتی ہے۔

آسمان پر چمکتے سورج کی طرح یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ صرف خلافت ہی ہمارے دشمنوں کا ہاتھ روکے گی تا کہ اسلامی امت کی حرمات کبھی پامال نہ ہوں۔ اس خلافت کے فوجی وہ ہوں گے جو اپنی جان کا سودا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اُس جنت کے بدلے کرلیں گے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کے لیے تیار کررکھی ہے۔ اسلامی حرمات کی پامالی اسلام کے خلاف اعلان جنگ ہے جس کا جواب خلیفہ راشد اپنی افواج، ،میزائلوں اور ہتھیاروں کو حرکت میں لاکرر دیتا ہے تا کہ دشمن مسلمانوں کا بال بھی بیکا کرنے کی کوشش نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا،**«إِنَّمَا الْإِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَرَائِهِ وَيُتَّقَى بِهِ»" یقیناً امام) خلیفہ (ڈھال ہے جس کے پیچھے رہ کر تم لڑتے ہو اور اس کے ذریعے تحفظ حاصل کرتے ہو)"**مسلم (۔ مسلمانوں کے سب سے پہلے اور سب سے بہترین امام، رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے یہودی قبیلے قینقاع کو نکالنے کے لیے فوجی قوت کو حرکت میں لائے جب یہود نے اپنے بازار میں ایک مسلمان عورت کی عزت پر ہاتھ ڈالا۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی وحی کی بنیاد پر حکمرانی کے دور میں آنے والے مسلمانوں کے امام)خلفاء (نے رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کیا اور امت کے لیے ایک ڈھال کا

کردار ادا کیا۔ لہٰذا جب رومیوں نے ایک مسلمان عورت کی تذلیل کی تو ان مجرموں کو سزا دینے کے لیے جو فوجی لشکر بھیجا گیا اُس کی قیادت خلیفہ نے خود کی اور اِس طرح اموریہ کا علاقہ اسلامی ریاست کا حصہ بن گیا۔ اور جب مودی کے باپ راجہ داہر نے مسلمان حجاج پر ظلم ڈھایا تو اُس کو محمد بن قاسم کی قیادت میں آنے والی فوج کی تلواروں کا سامنا کرنا پڑا۔

اے افواج پاکستان میں موجود مسلمانو !مقبوضہ کشمیر کے مسلمان ہندو ریاست کی قابض افواج کے خلاف پوری استقامت سے مزاحمت کررہے ہیں۔ وہ کسی بین الاقوامی برادری کا انتظار نہیں کررہے جس نے کئی دہائیوں تک انہیں کچھ نہیں دیا، بلکہ وہ آپ میں موجود خالد بن ولیدؓ، صلاح الدین ایوبیؒ اور محمد بن قاسمؒ کے جانشینوں کا انتظار کررہے ہیں کہ وہ آئیں اور انہیں ظلم سے نجات اور آزادی دلائیں۔ بغیر کسی التواء کے فوراًنبوت کے نقش قدم پر خلافت کے قیام کے لیے نصرہ فراہم کریں تا کہ مظلوموں کی پکار کے جواب میں آپ کو سرینگر کی جانب مارچ کرنے کا حکم دیا جائے۔ شیخ عطا بن خلیل ابو الرشتہ کی قیادت میں خلافت کے قیام کی جدوجہد کرنے والی حزب التحریر کو نصرہ فراہم کریں تا کہ پھر آپ کی قیادت ایسے افراد کریں جن کے دل ایمان اور ہدایت سے منور ہوں اور جو آپ کے ساتھ مل کر سرینگر میں اسلام کا پرچم بلند کردیں۔

حزب التحریر ولایہ پاکستان

24شوال1441ہجری

15جون2020ء

ختم شد

HarooN
a Wear
Shop #29
MASHAL-E-MADINA
NEW WEST
چندہ بکس

STUDENT
IRYANI ISB

REDMI NOTE 9
AI QUAD CAMERA

نصرۃ

نصرۃ وہ حکمِ شرعی ہے کہ جس پر آج سیاسی طور پر امت مسلمہ کے مستقبل کا دارومدار ہے کیونکہ نصرۃ کے ذریعے ہی اُس ریاستِ خلافت کا قیام عمل میں آئے گا، جو ان غداریوں اور خیانتوں کے طویل سلسلے کا خاتمہ کرے گی جس کا امتِ کو سامنا ہے، جو اللہ کے نازل کردہ تمام تر احکامات کے ذریعے حکمرانی کا آغاز کرے گی، پوری امتِ مسلمہ کو ایک ریاست کے سائے تلے وحدت بخشے گی اور دعوت وجہاد کے ذریعے اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک لے جائے گی۔

نصرۃ کی دلیل ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت سے ملتی ہے کہ جب مکہ کا معاشرہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے جامد ہو گیا تو اللہ سبحانہ تعالی نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ آپ ﷺ مختلف قبائل پر اپنے آپ کو پیش کر کے ان کی حمایت و نصرت طلب کریں۔ پس آپ نے ابو طالب کی وفات کے بعد مختلف عرب قبائل کی طرف رجوع کیا یہاں تک کہ مدینہ کے اوس و خزرج قبائل کے سرداروں نے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نُصرۃ دی اور اس نصرت کے نتیجے میں ہی، بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ اور یوں وہ رہتی دنیا تک انصار کے لقب سے پہچانے گئے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کی افواج میں موجود مخلص افسران اپنے انصاری بھائیوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خلافت کی دعوت کے علمبرداروں کو نصرۃ فراہم کریں، اس کفریہ سرمایہ دارانہ جمہوری نظام کو اکھاڑ پھینکیں اور ایک خلیفہ راشد کو قرآن و سنت کے نفاذ پر بیعت دیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس بشارت کو پورا کر دیں کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا: **"ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ"** پھر ظالمانہ حکمرانی کا دور ہو گا اور اس وقت تک رہے گا جب تک اللہ چاہیں گے۔ پھر اللہ اس کو ختم فرمادیں گے جب وہ چاہیں گے۔ اس کے بعد نبوت کے نقشِ قدم پر خلافت قائم ہو گی" (مسند امام احمد)